

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِرَبِّكَ الَّذِىْ لَيْسَ بِعَيْنٍ تُبْصَرُ

فتح باب ثبوت بیحد وود ختم دور وراثت پاکھوں اللم

فَدَايَا حِجَّةِ فُيُوتِ كَاتِبَانِ

العاقِب

نور القصد ۱۴۳۲ھ // اکتوبر ۲۰۱۱ء

شیخ محمد رفیع الدین شاہ خرمسین قسوی

مجموعہ

فہرست

اکاریبہ پیشہ ورانہ تعلیم 3	پیشہ ورانہ تعلیم 24	ممتاز قادری ایک نیا معیار 25	ممتاز ترین ایک فیصلہ 30
ممتاز قادری کو سزا تاکون دلوں کا خاتمہ 33	ممتاز حسین علم غازی 38	علم غازی قائد ملکی حکومت 41	علم غازی قائد ملکی حکومت 45
آمریکہ میں انجیل جانیاں 52	نہیں ہے کوئی خالی از معائب 51	غلام احمد قادیانی تروقاؤ دینیت 56	قومی عزت کی لوٹ مار 62

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

اکاریبہ

یارسول اللہ ﷺ آپ کے چاہنے والوں کی خیر

یکم اکتوبر 2011ء تاریخ کا ایسا سیاہ ترین دن ہے جس میں ایک عاشق رسول ﷺ کو اس وجہ سے ملکی انگریزی قانون کے تحت دوسرے سزاؤں کی سیمٹ چڑھایا گیا کہ اس نے ایک شاتم رسول کو داصل فی النہار کیوں کیا تھا؟ اس عاشق رسول کا جرم یہ تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ناموس و حرمت کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قانون کے مخالفین کا راستہ کیوں روکا تھا؟ اس مرد میدان نے یہود و نصاریٰ اور قادیانیوں کی سازش کے آگے دیوار کیوں کھڑی کر دی تھی؟

4 جنوری 2011ء کو راولپنڈی کے رہائشی 'عاشق خیر الوری' محافظ ناموس رسالت ﷺ 'شیر اسلام' غازی ملت ملک ممتاز حسین قادری نے قرآن و سنت کو مذاق بنانے والے 'شاتم رسول سابق گورنر پنجاب' کے ناپاک وجود سے اس دھڑکی کو پاک کیا تو پولیس نے فوراً اس شیر اسلام کو گرفتار کر لیا۔

شروع میں تو حکومتی ذمہ داران نے پاکستانی مسلمانوں کی روایتی بے حسی کے سبب یہی اندازہ کر رکھا تھا کہ غازی ممتاز حسین قادری کو 'بستہ ب' کا مجرم بنا کر رکھا جائے گا لیکن پہلی پیشی کے موقع پر جب غازی اسلام کو اڈال دیا جیل سے انسداد و ہشت گردی کی عدالت میں لایا گیا تو اس وقت وکلاء و محام کی طرف سے جس انداز سے اس شیر اسلام پر گھل پاشی ہوئی اس نے بیڑوں بیڑوں کو درمطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس موقع پر غازی ممتاز قادری کے نورانی چہرے پر کمال درجہ کا اطمینان و سرور تھا۔ غازی صاحب نے اس گھل پاشی کو

غازی ممتاز قادری کے نورانی چہرے پر کمال درجہ کا اطمینان و سرور تھا۔ غازی صاحب نے اس گھل پاشی کو

اللہ رب العزت کی طرف سے انعام بخشے ہوئے پھول پھینکنے والوں کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحہ میں لٹا، نعرہ بٹے کبیر و رسالت، گستاخ رسول کی ایک ہی سزا سرتن سے چند سرتن سے خُدا اور ناموس رسالت پر جان بھی قربان ہے سے گونج اٹھی۔

حکومت نے اس ابتدائی بغض کو مٹانے کی خاطر سب سے پہلا حکم یہ جاری کیا کہ اگلی مرتبہ سے اڈیالہ جیل میں ہی انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں غازی صاحب کا کیس ٹرائل ہوگا۔ چنانچہ اس کیس کے حوالے سے کل 28 مرتبہ پیشی ہوئی اور یکم اکتوبر کو اس حوالے سے آخری پیشی تھی۔

یکم اکتوبر 2011ء سے قبل کی سماعت میں وکلاء صفائی راجہ محمد طارق و صہیل اور راجہ شجاع الرحمن کے وائائل اور بحث مکمل ہوئی تھی جبکہ وکیل استغاثہ سیف الملوک نے ابھی بحث کرنا تھی مگر قریبین کے وکلاء چہچہے سے قبل ہی دہشت گردی کی خصوصی عدالت نمبر 2 کے نام نہاد جج پر ویرانی شاہ نے اپنا فیصلہ سنایا۔

وکلاء صفائی نے اس حوالے سے جب جیل حکام سے رابطہ کیا تو انہیں بتایا گیا کہ فیصلہ بعد میں سنایا جائے گا۔ تم ظریف کی انتہاء کے اس موقع پر غازی صاحب کے وکلاء کی طرح ان کے اہل خانہ کو بھی بے خبر رکھا گیا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق غازی "ممتاز قادری کو پھنکڑی پہنا کر جب خصوصی عدالت میں لایا گیا تو جج نے پوچھا ممتاز قادری آپ ہیں؟ اثبات میں جواب ملنے پر اُس نے کہا آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی دُور سے ٹھیک ہے مگر ملکی قانون میں آپ کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 302 کے تحت ایک بار سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ کی قید سنائی جاتی ہے جبکہ دہشت گردی ایکٹ 7ATA کے تحت بھی ایک بار سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ کی قید سنائی جاتی ہے۔ جرمانے کی یہ رقم مقتول کے ورثہ کو دی جائے گی..... جج نے پانچ صفحات پر مشتمل فیصلہ غازی ممتاز قادری کو دیا جس میں چودہ گواہوں کی شہادتوں کی روشنی میں سزا دی گئی اور کہا گیا ہے کہ ملزم نے کہا ہے کہ مرتد کو مارا ہے، قتل نہیں کیا۔ اس طرح اس نے اعتراف جرم کیا ہے۔ فیصلے

کے خلاف ممتاز قادری سات روز کے اندر باغیگارت میں اپیل دائر کر سکتے ہیں۔"

جیل ذرائع کے مطابق "یکم اکتوبر کی پیشی سے قبل غازی صاحب نے حسب معمول نماز فجر ادا کی اور پھر تلاوت قرآن کریم اور ذکر و اذکار میں مشغول رہے بعد ازاں نعت شریف بھی وجدانی کیفیت میں پڑھ رہے تھے۔ شروع میں غازی صاحب کے کئی دوست احباب نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے بیان کی فصل موڑ لیں یا اسے اصل واقعے کے برعکس کوئی اور صورت دے دیں تو غازی صاحب کا ایک ہی جواب تھا کہ میں ایک لفظ بھی تبدیل نہیں کروں گا چاہے مجھے پھانسی کی سزا ہی کیوں نہ ہو جائے۔ جیل کے تمام قیدی غازی صاحب کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اور اکثر غازی صاحب سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ جیل کا عملہ سپرینٹنڈنٹ سے لے کر خا کرو ب تک ہر ایک ملک ممتاز قادری کو "غازی" مانتا ہے لیکن نوکری کی وجہ سے اقرار عام سے ڈرتا ہے۔ فیصلے کے بعد بھی غازی صاحب کو جیل کی سابقہ کوشری میں رکھا گیا ہے۔ واللہ فیصلے کے وقت اور بعد میں بھی غازی صاحب کے چہرے پر ایسی اطمینانیت اور کیف و سرور کی جھلک ہے کہ کوشش کے باوجود بتانے سے قاصر ہوں مگر نہ بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان سزائے موت کا سن کر شکے کی کیفیت میں چلے جاتے ہیں۔ اس فیصلے کے بعد ہم نے غازی صاحب کو پریشان ہوتے تو نہیں لیکن اپنے اہل خانہ اور عملے کو حوصلہ دیتے ضرور دیکھا ہے۔ اب غازی صاحب نے جیل میں اپنا کھانا بھی خود ہی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہاں! جیل میں سیل کی باقاعدہ صفائی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں پھنکڑوں کی بہتات ہے۔ اسی وجہ سے غازی صاحب بھی پھنکڑوں کے کاٹنے کی وجہ سے پچھلے دنوں متاثر ہوئے تھے۔"

نام نہاد جج کی فیصلہ سنانے میں بھڑکی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ غازی صاحب کے اہل خانہ اور وکلاء کو ساڑھے دس بجے بلایا گیا تھا لیکن وہ صبح ساڑھے نو بجے جب اڈیالہ جیل پہنچے تو پتہ چلا کہ موصوف آٹھ بجے آکر پونے نو بجے تک مقدمہ ٹیٹا کرواپس بھی جا چکے ہیں اور اہل خانہ کو خود غازی ممتاز قادری نے اس فیصلے کے متعلق بتایا۔

غازی اسلام نے اپنے والد العزیز کو خود مبارک باد دی اور فرمایا اباہی! آپ بھی مجھے مبارک باد دیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حضور ﷺ کی غلامی میں قبول فرمائے۔ اس موقع پر غازی صاحب کے والد ملک محمد بشیر نے کہا اگر میرا بیٹا زندہ رہا تو غازی و مگر نہ شہید کہلائے گا۔

غازی صاحب کے بھائی ولید پر اعوان قادری کا کہنا ہے کہ فیصلہ آنے پر ممتاز قادری بہت خوش ہیں۔ جب ہم جیل میں ان سے ملاقات کے لیے گئے تو ممتاز بھائی نے کہا آپ لوگ مصافی کیوں نہیں لائے مگر ہمارے پورے محلے میں مصافی تقسیم کروانا۔ میری زندگی کا مقصد مجھے حاصل ہو گیا ہے۔ یہ عدالتی فیصلہ بہت گھوٹا ہے اصل فیصلہ تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ میری جان کا نذرانہ قبول فرمائے۔ یہ تو ایک زندگی ہے اگر سو بار بھی زندگی ملتی تو میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت کے لیے اسے قربان کرنے کو تیار ہوں۔

غازی صاحب کے بھائی کے بقول غازی صاحب کا فرمانا ہے کہ مجھے عدالتی فیصلے سے تو کوئی سروکار نہیں ہے تاہم اس بات کی حیرت ضرور ہے کہ فاضل عدالت نے میرے دکاء کا انتظار کیوں نہیں کیا؟ فیصلہ بھی بلاں سنایا ہے کہ مجھے اس کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ (نام نہاد) جج جب اپنی سیٹ پر سے اٹھ گئے تو میں نے ایک عدالتی ہلکار سے پوچھا کہ جج نے کیا فیصلہ سنایا ہے؟ مجھے تو کچھ سنائی نہیں دیا تو اس عدالتی ہلکار نے بتایا کہ دو بار سزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانے کا حکم سنایا گیا ہے۔

ملک ولید پر اعوان صاحب نے مزید بتایا کہ اس کے بعد ڈیوالہ جیل میں ہی محفل میلاد کا انعقاد کیا گیا جس میں سزائے موت ملنے کے بعد از خود غازی ممتاز قادری نے سورۃ الکوش کی تلاوت کی اور اس کے بعد نعت شریف

یا رسول اللہ تیرے چاہنے والوں کی خیر

سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر

انہی سوز و گداز اور خوش الحانی سے پڑھی۔ آج تو غازی ممتاز قادری کا 10 ماہ کا بیٹا محمد علی بھی نہیں رویا۔ وہ

سارا دل خوش و غم رہا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بتا دیا ہے کہ تیرے باپ نے دنیا میں بڑا کام کیا ہے اور ہم نے اس کی حاضری قبول کر لی ہے۔

غازی صاحب کی اہلیہ نے بھی غازی صاحب کی زبانی ہی ساری عدالتی کارروائی صبر و تحمل کے ساتھ سنی اور وہ بھی راضی برضا الہی ہیں۔ انہوں نے کہا ہمیں سزا سے کوئی خوف ہے نہ پشیمانی مگر اتنے بڑے کیس کا فیصلہ جس امداد میں سنایا گیا ہے اس طرز عمل پر ہمیں شدید تحفظات ہیں۔ اگر نبی کریم ﷺ کی شان اقدس، اسلام اور پاکستان کے لیے مجھے اپنے بیٹے محمد علی کی قربانی بھی دینی پڑی تو ہلکی خوشی یہ کر گزروں گی۔

غازی صاحب کے وکیل راجہ شجاع الرحمن کے بقول ”کیم اکتوبر استغاثہ کی جٹ کے لیے تاریخ مقرر تھی لیکن فاضل عدالت نے فیصلہ سنا دیا ہے۔ وکلاء صافی نے 7ATA کی دفعہ حذف کرنے کے لیے درخواست تیار کی ہوئی تھی جو آج عدالت میں دائر کی جانا تھی لیکن عدالت کے جج نے وکلاء صافی کی عدم موجودگی میں عدالت لگا کر اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ ہمیں استغاثہ کی جٹ بھی سننے نہیں دی گئی۔“

قارئین کرام! یہ تمام تفصیلات پڑھ کر آپ خود بخوبی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کیس کا فیصلہ کس نوعیت کا ہوگا؟ ملک بھر میں اس وقت 35 ہزار سے زائد ایسے قتل کے ملزمان موجود ہیں جن کے کیس کا فیصلہ ساہا سال سے ہوتا رہا ہے مگر غازی اسلام کے کیس کو 10،9 ماہ کے قلیل عرصہ کی 28 پیشیوں میں ہی بننا کر ایک تنازعہ اور غیر شرعی فیصلہ دینے سے خود عدلیہ کا کردار مشکوک ہو گیا ہے۔ جاری کیس کو یکدم روک کر فریقین کے دکاء کی عدم موجودگی میں فیصلہ کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اگرچہ ملکی قانون کے تحت فریقین کے دکاء کی عدم موجودگی میں فیصلہ سنانے میں قباحت نہیں لیکن معاشرتی طور پر ناپسندیدہ ضرور ہے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق ایک طرف نام نہاد جج خود اقرار کر رہا ہے کہ ”آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی زور سے ٹھیک ہے مگر ملکی قانون میں آپ کو دفعہ 302 کے تحت ایک بار سزائے موت اور ایک لاکھ جرمانہ.....“ جب جج کے بقول اسلام کی زور سے غازی صاحب کا فضل یعنی شیطان کا شیر کو قتل کرنا ٹھیک ہے تو پھر انہیں سزا کیوں دی گئی ہے؟ کیا نام نہاد جج کو معلوم نہیں کہ آئین کے ابتدائی بنیادی نکات میں ہے کہ

ملک میں قرآن و سنت پر سہم لاء ہے اور اس کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ بھی ہے کہ گستاخ رسول کی مرزا صرف اور صرف موت ہے۔

جب کوئی گستاخی کا مرتکب ہو اور مسلسل وہی طرز عمل دہرائے اور ملک کی اعلیٰ عدالتوں کو اس کا عہدہ دیکھ کر سانپ سمجھ چکا ہو اور وہ کوئی بھی ایکشن لینے سے عاری ہوں تو ہمارا پرویز علی شاہ سے سوال ہے کہ ایسی صورت میں عاشقانِ مصطفیٰ کیا کریں؟ کیا گستاخی کرنے والے کا منہ دیکھتے رہیں یا اسے نکال دیں؟ کیا پاکستانی عدالتوں کے متصفین یہ چاہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے بارے میں کھلی توہین ہونے پر پاکستان کے شیور و عام بھی ان کی طرح گوشتے بہرے اور اندھے بن جائیں۔ آئے روز اللہ جبارک و قتالی کی آیات کا مذاق اڑایا جاتا ہے رسول اللہ کی توہین کی جاتی ہے قرآن کریم پر عجیب و غریب حملے کیے جاتے ہیں لیکن اس وقت عوام کو قانونی دائرے میں قابو رکھنے والے متصفین کہاں ہوتے ہیں؟ ان کے کانوں پر بول کیوں نہیں رنگتی؟ ان کا ایمان حرارت کیوں نہیں کھاتا؟ ان کا عشق انہیں کیوں نہیں ٹو پاتا؟ کیا ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت کے کوئی تقاضے نہیں؟ قرآن و سنت کی حفاظت کے کوئی تقاضے نہیں؟

کیا وجہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کے خلاف بولنے والوں کو تو ہر طرح کی آزادی ہے لیکن اسلام کے دفاع کے لیے بولنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ شیخ سعدی ؒ نے شاید اسی موقع کے لیے فرمایا تھا کہ میں اس شہر والوں سے حیرت زدہ ہوں کہ انہوں نے کتوں کو تو کھلا چھوڑ دیا ہے لیکن پھروں کو باندھ دیا ہے۔ آج پاکستان میں بھی شیخ سعدی کی یہی منظر کشی سامنے آرہی ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس ملک میں اسلام اور اہل اسلام پر بھوکھنے والوں کو تو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے لیکن انہیں پٹا ڈالنے والوں کے ہاتھ باندھ کر پھس و پوار زندان کر دیا گیا ہے۔

مال روڈ لاہور پر صدر پاکستان کی صدارت کو تین سال پورے ہونے پر پابندی کے باوجود ریلی نکالی جائے، میٹرو آویزاں کیے جائیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن تحفظ ناموس رسالت کے لیے ریلی نکالی جائے یا احتجاج کیا جائے تو سب کو دفعہ 144 کا نفاذ یاد آ جاتا ہے؟ دفعہ 144 کے نفاذ کے باوجود اگر صدر

کے لیے ریلی نکالنا دفعہ 144 کی توہین نہیں تو اس ہستی کی عزت و ناموس کے لیے ریلی نکالنا ممنوع کیوں ہے جن کے لٹکین پاک کی گرد کے برابر بھی پوری کائنات کی وزارت و صدارت نہیں؟

غازی صاحب کے خلاف اس فیصلے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم آج بھی انگریز کے دور میں اس دھرتی پر رہے ہیں کیونکہ اس دور میں بھی راجپال جیسے گستاخ کے لیے تو قانون مکمل آزادی دیتا تھا لیکن اس قانون کے دامن میں غازی علم الدین شہید ؒ ایسے شیر کی کوئی جگہ نہیں تھی اور آج بھی جس قانون و تعویذات کی بھڑ بھڑ یوں میں ہمیں قید کیا جاتا ہے اس میں سلمان تاثیر اور سلمان رشدی تو ہیرو اور آزاد ہیں لیکن غازی ممتاز حسین قادری ان کے بقول ”محرم“ اور ”مزدک“ کا مستحق ہے۔

آج اگر اقبال موجود ہوتے تو ضرور غازی ممتاز قادری کے متعلق کہہ رہے ہوتے کہ ”اسیس تے محلاں اسی کردے رہ گئے تے اعواناں دامنڈا بازی لے گیا“۔ بانی پاکستان موجود ہوتے تو وہ غازی ممتاز قادری کے دفاع کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے لیکن ان شاخوں پر اب کرگس براجمان ہیں۔

قارئین کرام! اس پہلو کو بھی ضرور مد نظر رکھیں کہ دو دن قبل اسلام آباد میں اکثر سیاسی و مذہبی پارٹیوں نے جمع ہو کر امریکہ مخالف اتحاد کا مظاہرہ کیا تھا اور دینی جماعتیں اس میدان میں کافی سرگرم حصہ لے رہی تھیں اور عملی طور پر ملکی دفاع کے لیے میدان میں آنے کی تیاریاں کر چکی تھیں۔ لیکن ٹھیک دو دن بعد اس سارے عمل کو ہائی جیک کرتے ہوئے دینی جماعتوں کا ٹرغ امریکہ مخالف مظاہروں سے موڑ کر اس فیصلے کی طرف کر دیا گیا ہے اور غازی ممتاز قادری کے خلاف ایسا فیصلہ کروایا گیا ہے جس سے پوری قوم کی سمت تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں نے اس کا فرائض سے پیدا ہونے والی امریکی ناراضگی کو ختم کرنے کے لیے عدلیہ کا کندھا استعمال کیا اور بہت سی کمزوریوں پر مشتمل ایک متنازع ترین غیر شرعی فیصلہ صادر کروایا۔ اگر عدالت فیصلے میں شرعی پوزیشن و واقعات و حالات قوم کے خیالات و جذبات روایات اور رد عمل کو مد نظر رکھتی تو ہرگز ایسا فیصلہ نہ مانتی۔ خود سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی بھی ایک کیس میں یہ روٹک رکھاؤ کا

حصہ ہے کہ ہم اپنے فیصلوں میں عوام کی اکثریت کے جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

بہر کیف اس فیصلہ کے آنے کے بعد حکمرانوں کو اپنا مقصود حاصل ہوتا نظر آ رہا ہے کہ امریکی میڈیا نے اس فیصلے پر حکومت خصوصاً صدر زرداری کی خوب تعریف کی ہے۔ امریکی اخبار نیو یارک ٹائمز نے سزائے موت کے فیصلہ کا غیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ مہم کی طرف سے اعلیٰ عدلیہ میں اپیل وائر کا پاکستانی عدلیہ کے لیے ایک امتحان ہوگا۔ صدر زرداری نے ملزم کو سزا دلوانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس فیصلے کے بعد پنجاب میں برسر اقتدار ملک کی دوسری بڑی سیاسی پارٹی کے رہنما (جو خود کو "قائد اعظم ثانی" سمجھتے ہیں) نے احتجاجی بڑا سردار دارا کرتے ہوئے بھرمانہ خاموشی اختیار کی اور پاکستانی عوام کی توجہ اس فیصلے سے ہٹا کر بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی طرف پھیر کر مغربی آقاؤں کی نمک حلائی کی۔ موصوف کو شاید معلوم نہیں کہ موس بجلی پانی گیس کی لوڈ شیڈنگ کے بغیر لوگ زارہ کر سکتا ہے لیکن عشق مصطفیٰ ﷺ کے بغیر ایک لمحہ جینے کا تصور نہیں کر سکتا۔ موسن اگر جسم کی مانند ہے تو عشق مصطفیٰ ﷺ اس جسم کی روح ہے۔

ہمارے بعض حضرات غالباً عوام کو سمجھانے کے لیے یہ کہہ رہے ہیں کہ غازی صاحب کو رہا کیا جائے کیونکہ امریکی ایجنٹ ریمنڈ بھی رہا کیا گیا تھا۔ ہماری ان سے گزارش ہے کہ عوام کو سمجھانے کے لیے بھی ایسا تقابل مت فرمائیں جو خلاف واقع ہو۔ ریمنڈ نے تین قتل کیے یا ایک وہ ناحق قتل تھے جبکہ غازی صاحب نے ایک گستاخ رسول کو قتل کیا تھا اور وہ قتل تھا۔ تحفظ ناموس رسالت کے لیے قتل کا حکم الگ ہے اور اپنی دنیاوی خواہشات کے تحت کسی کا قتل الگ ہے۔ شرعاً تاہم قتل پر کوئی دیت نہیں ہے۔

دوسری بات یہاں قابل توجہ ہے کہ امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوین کو حکومت اور عدلیہ نے چھوڑنا تھا تو انہوں نے شرعی قانون کا سہارا لیتے ہوئے دیت کے ذریعے کیس ہی ختم کر دیا لیکن جب معاملہ عاشق رسول ﷺ غازی ملک ممتاز حسین قادری کا پیش آیا تو عدلیہ نے شرعی قانون کا سہارا نہیں لیا اور جج کے اس اقرار کے باوجود کہ غازی صاحب کا فعل شرعی طور پر صحیح ہے مگر قانون کو مقدم رکھ کر فیصلہ کیا گیا، آخر کیوں؟ غیر ملکی جاسوس کے لیے تو شرعی قانون کا سہارا اور عاشق رسول ﷺ کے لیے برطانوی مہم کے قانون کے

مطابق فیصلہ آخر کیوں؟؟ کیا اسلام کے نام پر یہ ملک پاکستان اس لیے حاصل کیا گیا تھا کہ یہاں شرعی قوانین کو پس پشت ڈال دیا جائے اور انسانی قانون کو مقدم کیا جائے؟

تیسری بات یہ ہے کہ غازی صاحب کو دوسرے موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ ان میں سے ایک سزائے موت دفعہ 302 کے تحت اور دوسری سزائے موت 7ATA کے تحت ہے۔ دفعہ 302 کا تعلق قتل سے اور 7ATA کا دہشت گردی یا فساد فی الارض سے ہے۔ ہم یہاں 7ATA یعنی دہشت گردی کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ ریمنڈ ڈیوین نے دن دینا ہڑے لا اور کی سڑک پر دو بے گناہ لوگوں کا خون بہایا اور تیسرے کو گاڑی سے تلے چل کر مار ڈالا۔ اس پر ملک بھر میں شدید اشتعال اور خوف و ہراس پھیل گیا یہاں تک کہ پورے ملک میں ریمنڈ کے خلاف زبردست احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ اس سب کے باوجود ریمنڈ کے خلاف 7ATA یعنی دہشت گردی یا فساد فی الارض کے تحت مقدمہ درج نہیں کیا گیا حتیٰ کہ مقتولین کے ورثاء کے مطالبے پر بھی اس دفعہ کو شامل مقدمہ نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف غازی ملک ممتاز حسین قادری نے تو چن رسالت کے مرتکب شیطان تاخیر کو جب اس کے انجام تک پہنچا تو ملک بھر میں غازی صاحب کے اس جرات مندانہ قدم کو سراہا گیا یہاں تک کہ ملک بھر میں غازی صاحب کی حمایت میں بھرپور مظاہرے اور ریلیاں ہوئیں۔ لیکن غازی صاحب کے خلاف ایف آئی آر میں دہشت گردی کی دفعہ 7ATA بھی شامل کروادی گئی۔

ریمنڈ کے اقدام قتل پر ملک بھر میں اشتعال پھیلنا اور احتجاجی مظاہرے ہوئے جبکہ غازی صاحب کے اقدام قتل پر ملک بھر میں امن و سکون ہوا اور غازی صاحب کی حمایت میں لوگ گھروں سے باہر نکلے۔ اب دہشت گردی کا اقدام کس کا بنتا ہے ریمنڈ کا یا غازی ممتاز کا؟ اور ہماری عدلیہ نے دہشت گردی ایکٹ کے تحت کاروائی کس کے خلاف کی ریمنڈ کے خلاف یا غازی ممتاز قادری کے؟؟ یہ ہے ہماری عدلیہ کا انصاف۔

جج ہے کہ قانون اللہ کا ہوتا ہے لیکن یہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ قانون پر عمل کروانے والوں کے ساتھ

ہمیں وقت مل جاتا ہے اور طبیعت بھی اجازت دیتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لیے باہر نکلنے کے لیے طبیعت آمادہ کیوں نہیں ہوتی اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لیے میدانِ عمل میں نکلنے کی ہمت کیوں نہیں ہوتی؟

ان باغیانِ محافل سے بھی التماس ہے وہ سوچیں کہ محفل میں دس دس عمرے کے ٹکٹ رکھ دینا اور لاکھوں روپے محفل پر لگا دینا تو ان کے لیے آسان ہے لیکن عظمت مصطفیٰ ﷺ کے محافین پر دس روپے خرچ کرنا بھی ان کے لیے مشکل ترین کیوں ہے؟

مدارس کو اسلام کا قلعہ کہنے والے مرکز اسلام کی ناموس کے لیے بھرپور انداز میں میدانِ عمل میں آنے سے کیوں کتراتے ہیں؟ مدارس کی بہاریں رسول اللہ ﷺ کے دم قدم سے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی ناموس محفوظ نہیں تو اہل مدارس کی عزتیں کہاں باقی رہیں گی؟

الغرض غازی ممتاز قادری نے تو اپنا تہن من و دھن سب کچھ عملی طور پر رسول اللہ ﷺ کے لیے یوں قربان کر دیا کہ

۔ کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس اک جاں دو جہاں فدا

دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

اب رسول اللہ ﷺ کے چاہنے والوں یعنی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ سے وقت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ زندگی کے جس شعبے سے بھی تعلق رکھتے ہوں وہاں رہتے ہوئے امت مسلمہ کے خیر خواہ اور خیر و غازی ممتاز حسین قادری کی باوقار رہائی کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائیں اور اس حوالے سے دینی و ملی غیرت و حیت کا مظاہرہ فرمائیں۔

حکمرانوں نے تو گستاخِ ناشر کے لیے 14 اگست 2011ء کو ایوارڈ کا اعلان کر کے اپنی فکر و سوچ اور پالیسی کا اعلان کر دیا ہے اب آپ بھی فیصلہ کریں کہ کس کا ساتھ دینا ہے خیر مانگنے والوں کا یا قانون تحفظ ناموس رسالت کو لغو نہ کرنے والوں کا "کالاقانون" کہنے والوں اور ان کے حمایتیوں کا۔

بھی کچھ بھی معاملہ ہے۔ ریمنڈ کیس میں اگر اس دفعہ کا اندراج نہیں تھا تو متعلقہ جج نے ایف آئی آر درج کرنے والے پولیس افسر سے باز پرس کیوں نہیں کی اور تاخیر کیس میں اگر اس دفعہ کا زبردستی اندراج تھا تو متعلقہ جج نے اس پر انصاف کے تقاضے پورے کیوں نہیں کیے؟؟؟

آخر میں رسول اللہ ﷺ کے ہر نام لیوا سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنا عاصیہ کرے کہ وہ حاضر کے غازی علم الدین یعنی غازی ممتاز حسین قادری کی باوقار رہائی کے لیے اس نے کیا کردار ادا کیا ہے؟ وہ غازی جس نے حراست کے دوران جھڑپوں میں نعت رسول ﷺ پر بھی "یا رسول اللہ! تیرے چاہنے والوں کی خیر"۔ وہ غازی جس نے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دو زبان یہ جملہ بتایا "یا رسول اللہ! تیرے چاہنے والوں کی خیر"۔ وہ غازی جس نے سزائے موت کا سننے کے باوجود بھی وکیلہ دہرایا "یا رسول اللہ! تیرے چاہنے والوں کی خیر"۔

اس موقع پر انبیاء کے وارث ہونے کے دعویدار علماء کرام کو اپنا کردار جانچنا چاہیے کہ وہ امام الانبیاء ﷺ کی ناموس کے محافظ کے لیے کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

سنتوں کا احیاء کرنے کے دعویداروں کو بھی دعوتِ فکر ہے کہ وہ سوچیں انہوں نے اس محافظِ ناموس رسالت کے لیے کیا کردار ادا کیا ہے۔ کیا رسول اللہ کی ناموس کا تحفظ کرنا سنت الہیہ نہیں ہے۔ بروہو مجشر دینی آقا ﷺ کو اس وقت کیا منہ دکھائیں گے جب پوچھا جائے گا میری ناموس کے محافظ غازی ممتاز حسین قادری کے لیے تم نے کیا عملی کردار ادا کیا تھا؟ محبوبِ سبحانی نے پوچھ لیا کہ میرے روحانی بیٹے کو درندوں سے آزاد کروانے کو بھی کیا تم نے سیاسی مسئلہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے لیے کچھ نہیں کیا تو کیا جواب دو گے؟؟؟

بیرانِ عظام کو بھی سوچنا چاہیے کہ یہ وقت خافا ہوں میں بیٹھنے کا نہیں بلکہ "نکل کر خافا ہوں سے ادا کر رسمِ شیری" کا ہے۔ جس ہستی کے صدقہ میں ہماری دست بوسی ہوتی ہے ان کی ناموس کے محافظ کی باوقار رہائی کے لیے ہمارا کیا کردار ہے؟

قال اللہ وقال الرسول کی صدا نہیں بلند کرنے والوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ محافل میں جانے کا تو

حکمران اور برطانوی نظام ہائے عدالت پر کاربند مصنفین اچھی طرح جان لیں کہ یہ فیصلہ پوری امت مسلمہ کی ایمانی غیرت و جمعیت جانچنے کے لیے ایک ٹیسٹ کیس اور چیلنج ہے نیز آج سے پون صدی قبل بھی اہل اسلام نے فرنگی سامراج کے دور اقتدار میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہدایتی فیصلے کو یکسر مسترد کر دیا تھا اور آج بھی اہل اسلام فرنگیوں کے پروردہ حکمرانوں کے دور حکومت میں غازی ممتاز حسین قادری کے خلاف غیر شرعی فیصلے کو جوتے کی ٹوک پر رکھتے ہیں۔

اگر حکمران انسانی خون کے پیاسے ہیں تو ہم اس راہ میں اپنے سر کٹوانے کو فرماتے ہوئے خون کا آخری قطرہ دینے تک کو تیار ہیں۔ 1953ء میں 10 ہزار مسلمان بھی محفوظ ناموس رسالت ہی کے لیے قربان ہوئے تھے۔ اگر حکمران پیسے کے بھوکے ہیں تو اہل اسلام ان کو "بھیک" دینے کو بھی تیار ہیں۔ اہل ایمان کی تو یہی صدا ہے۔

۔ اوجہ آ پیارے مہر آزمائیں

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

غازی ملت کی باوقار رہائی کا مطالبہ اہل اسلام اپنی رگوں میں خون کے آخری قطرے تک پُر زور طریقے سے کرتے رہیں گے اور ان شاء اللہ اس مطالبے کو عملی جامہ پہنا کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرخرو ہوں گے۔ آمین بجاہ خاتم الانبیاء والہرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کیا خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

فرقہ طاہریہ پروفیسر یہ کے ہائی سہائی پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری لفظی "چرب زبانی" ابن الوقتی اور کذب عیانی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔ انہی عناصر ربرجی کی بدولت موصوف اس وقت اپنا "موردہ کھندہ" چلا رہے ہیں۔ موصوف نے کوچہ سیاست میں جب ہر طرف سے ناکامی کا سامنا کیا تو سیاست کو ہمیشہ کے

لیے خیر آباد کہہ کر ایک نئے رنگ و جنک میں عوام کے سامنے پیش ہوئے۔

مسئلہ بات ہے کہ انسان اپنا ظاہر تو بدل سکتا ہے لیکن باطن بدلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ خیر آب موصوف "شیخ الاسلام" کے نام نہادنا شبیل سے اپنے مشن پر کامزن ہیں۔ "شیخ الاسلام" کا جلیل القدر لقب اپنانے پر ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ

۔ کیا پدی کیا پدی کا شورہ

لیکن اتنا ضرور کہیں گے کسی بھی شخص کے ذاتی کردار و افعال کے حوالے سے جتنا علم اہل خانہ کو ہوتا ہے کسی اور کو نہیں بیچیم موصوف کے علم و عمل کے حوالے سے جتنے اہل وطن اور اہل علم باخبر ہیں کوئی دوسرا نہیں۔ اب ان جاننے والوں میں پروفیسر موصوف کے اساتذہ بھی شامل ہیں اور اکابر بھی۔ مثلاً خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی، غزالی، زماں علامہ سید احمد سعید شاہ کالمی (استاذ پروفیسر موصوف)، استاذ العلماء علامہ محمد عبدالرشید تھٹکوی (استاذ پروفیسر موصوف)، نواسہ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں، استاذ الکل علامہ عطاء محمد بدایونی، شیخ الحدیث علامہ محمد عبداللہ قصوری، شیخ القرآن مولانا غلام علی اذکار وی، مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، محسن اہلسنت علامہ محمد عبدالکبیر شرف قادری، شیخ الحدیث والشفیر علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہم، اجیتین اور نبیرہ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا خان ازہری، نائب محدث اعظم مولانا مفتی حاجی ابوداؤد محمد صادق رضوی ایسے اساطین علم و عمل نے فرقہ طاہریہ پروفیسر یہ کے بانی کے نظریات باطلہ کا نہ صرف بھرپور رد فرمایا بلکہ اہلسنت و جماعت کو اس سے بچنے کی تلقین کی۔

پروفیسر صاحب کی زندگی پُر شرمندگی کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہو اس کے لیے یہ بات ہرگز نئی نہیں ہوگی کہ موصوف کو شروع ہی سے جہود سے اپنا الگ تھلگ موقف پیش کر کے نمایاں ہونے کی عادت ہے۔ ظاہر ہے جب سب لوگ ایک ہی بات کہہ رہے ہوں تو شخصی طور پر کئی لوگ نمایاں نہیں ہوتے لیکن جب یکدم کوئی الگ تھلجی چھوڑ دے اور خود کو جہود سے الگ کر لے تو نا بھی نمایاں ہو ہی جاتا ہے۔ اب

نمایاں ہونے کی شہرت اسے نیک نامی میں ملی ہو یا بدنامی میں وہ انگ بحث ہے جسے ہم یہاں چھوڑ کر اپنا منہ جان بولتے ہیں۔

پروفیسر طاہر القادری کی اسی مجبوری طبع کی بابت جنرل ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ کے رکن و جامعہ نعیمیہ لاہور کے بانی مولانا مفتی محمد حسین نعیمی نے ایک پریس کانفرنس میں فرمایا "کچھ عرصہ پیشتر وہ اور پروفیسر طاہر القادری جناح ہال میں منعقدہ ایک تقریب میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ پروفیسر طاہر القادری نے مجھے کہا مفتی صاحب آج لیڈ (برتری) لے جانے کا موقع ہے۔ میں نے اس کی وضاحت طلب کی تو کہنے لگے اگر آپ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں مرد کے مساوی قرار دے دیں تو آپ لیڈ (برتری) لے جائیں گے۔

مفتی محمد حسین نعیمی نے مزید کہا کہ پروفیسر طاہر القادری نے انہیں اس موقف کی تائید میں تین کتابوں کے حوالے دیے مگر جب دیکھا تو ان تینوں کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ رائے اس مفہوم میں موجود نہ تھی۔ میں تو اس بنا پر لیڈ نہ لے جاؤں گا کہ کتاب وسنت کے احکام سے سر تابی کر کے خدا کے غضب و دعوت دینے کا تحمل نہ ہو سکتا تھا تاہم پروفیسر طاہر القادری لیڈ لے گئے۔"

(روزنامہ دفاق امروز اجنگ لاہور اجسارت کراچی 19 اکتوبر 1984ء)

حال ہی میں اسی طرح کا ایک چٹکلا موصوف نے اے آر وائی ون ورلڈ کے انٹرویو میں 25 ستمبر 2011ء کو پیش کیا۔ یہ انٹرویو بی بی سی (پرویز جاوید میر) صدیویو مین آف جرنلس لندن نے لے رہا تھا جس کا تعلق منکرین ختم نبوت یعنی قادیانیوں سے ہے۔

اس مکمل انٹرویو پر تو ہم سر دست تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں لیکن انٹرویو کے اس حصے پر حقائق ضرور پیش کریں گے جو غازی اسلام ملک ممتاز حسین قادری کے مبارک فضل کے حوالے سے ہے۔ پروفیسر موصوف کی مذہبی زندگی کے حوالے سے کتاب "خطرہ کی گھنٹی" اور سیاسی زندگی کے حوالے سے کتاب "تنازعہ ترین شخصیت" حق کے متلاشیوں کو دعوت انصاف دی رہی ہیں۔

بہر کیف غازی ممتاز قادری اور گستاخ تاثیر کے حوالے سے پروفیسر موصوف نے کہا۔ "ہمیں صحیح فیصلے کرنے کے لیے ایماندار اور جرأت مند ہونا ہوگا۔ جس شخص نے "ا" (تاثیر) کو مارا وہ شخص قاتل ہے۔ اسے قاتل ہونے کی حیثیت سے سزا ملنی چاہئے تھی۔ گورنر تاثیر نے اگر کوئی جملہ ایسا بولا جس پر میں کمٹ (تبصرہ) نہیں کر سکتا یہ چیزیں تحقیق طلب ہوتی ہیں جو گستاخی رسول پر جا کر منتج ہوتا ہے اگر ایسا بولا یہ ثابت ہو جائے تو پھر بھی کسی ایک سوبیلین کو قتل کرنے کی اجازت نہیں اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اگر وہ لاء (قانون) اپنے ہاتھ میں لے کر قتل کرنے کا تو وہ قاتل تصور کیا جائے گا اس کی سزا موت ہے۔

جہاں تک میں نے اسٹینٹ کو پڑھا دیکھا وہ (تاثیر) اہانت رسول و گستاخی رسول کے ذمے میں نہیں آتا۔۔۔۔۔۔ اگر وہ آتا بھی ہو تو یہ عدالت کا کام ہے کہ وہ سزا دے۔"

ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ پروفیسر صاحب نے کسی دور میں لاء (قانون) پڑھا ہے لیکن اگر وہ انگریز کے عطا کردہ مجموعہ تعویذات کو قرآن وسنت اور فقہ پر مقدم نہ کرتے تو یہاں ہر گز شوکر نہ کھاتے۔

اب ہم سب سے پہلے پروفیسر صاحب کی آخری بات کا جواب دے کر باقی باتوں کا جواب ان کی اپنی کتاب سے دیتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے مطابق گورنر تاثیر کے جملے تو بین رسالت کے ذمے میں نہیں آتے جبکہ ملک بھر کے 500 جید مفتیان کرام کا فتویٰ ہے کہ تاثیر کے جملوں سے تو بین رسالت ہوئی ہے اور وہ اہانت کا مرتکب ہوا ہے لیکن اس پر تاثیر نے کہا تھا کہ میں ایسے فتوؤں کو جوتی کی ٹوک پر رکھتا ہوں۔ اب ہمارا قارئین سے سوال ہے کہ 500 مفتیان کرام کی شرعی مسئلہ میں رائے اہم ہے یا ایک فرد بلکہ تنازعہ ترین فرد کی۔

پروفیسر صاحب کا آگے کہنا ہے کہ اگر تاثیر تو بین رسالت کے ذمے میں آتا بھی ہو تو یہ عدالت کا کام ہے کہ سزا دے۔ قارئین کرام! آپ نے فیصلہ پڑھ لیا ہوگا کہ بیچ نے اپنے فیصلے میں غازی ممتاز قادری کو واضح الفاظ میں کہا ہے کہ آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی زور سے ٹھیک ہے یعنی گستاخ رسول گورنر تاثیر کا قتل قرآن وسنت کی زور سے ٹھیک ہے۔ جب قرآن وسنت کی زور سے قتل کرنا "حق" یا ٹھیک ہے تو قتل کرنے

والا کس طرح یا حق یا غلط ہوگا؟ اب پروفیسر صاحب ہی فرمائیں کہ اسلامی قانون یعنی قرآن و سنت کو مقدم کیا جائے یا تعزیرات ہندو۔

اگر بڑی قانون پر مبنی ہوئے جج کی کدی میں تو یہ بات آگئی کہ تاجر کے جملے گستاخی پر مبنی تھے اور اسی وجہ سے وہ قتل ہوا ہے تبھی تو کہہ رہا ہے کہ ”آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی زد سے ٹھیک ہے“ لیکن قدیم و جدید علوم پر دسترس رکھنے کے دعویدار پروفیسر صاحب بچانے یہ کیوں نہ سمجھ سکے؟

1995ء میں پروفیسر صاحب نے ایک کتاب بعنوان ”احکام اسلام اور تحفظ ناموس رسالت“ تصنیف کی جسے 2004ء سے ”تحفظ ناموس رسالت“ کے نام سے چھاپا جا رہا ہے۔ ذیل میں اس کتاب سے متعلق مختصر مواد پیش خدمت ہے۔

① صفحہ نمبر 95 پر ”مومن تحقیر لفظ کے استعمال سے ممانعت“ کے ضمن میں لکھتے ہیں ”وہ لفظ جو ذوق معنی“ مومن تحقیر“ ہو یعنی گستاخ رسالت مآب ﷺ پر دلالت کرے اسے حضور ﷺ کی شان اقدس میں استعمال کرنا صریح توہین و گستاخی ہے اگرچہ صراحتاً اس سے اہانت و تنقیص رسالت مآب ﷺ کا کوئی وہم بھی پیدا نہ ہو بلکہ محض ذہن میں معمولی سا شائبہ ہی پیدا ہو تو ایسے لفظ کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں وہ لفظ لغت عرب میں بغرض توہین و تنقیص کے وضع کیا گیا ہو اور نہ ہی یہ بات ضروری ہے کہ وہ لفظ اگر کثیر المعانی ہے تو اس کے سب کے سب معانی توہین و اہانت اور تنقیص و تحقیر پر دلالت کرتے ہوں بلکہ اس کے کچھ معانی و مطالب اچھے بھی ہوں۔ اس کے باوجود ایسے کثیر المعانی لفظ کو حضور ﷺ کی شان اقدس میں بولنے لکھنے سے قرآن حکیم نے سختی سے منع کیا ہے۔ اس حقیقت سے آگاہی کے بعد کوئی فرد بشر اس کا ارتکاب کرے تو اس کا یہ عمل شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی و اہانت کے مترادف ہے۔“

② صفحہ نمبر 107 میں ”تہذیب اہانت رسول کا ہمیشہ کے لیے سد باب“ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ”اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ اسلام کسی بھی سطح پر اہانت و گستاخی رسول ﷺ کے مرتکب کو کسی قسم کی معافی نہیں دیتا ہے بلکہ جو گستاخ ہے وہ ایسی لعنتی اور جہنمی ہے اور اسے قتل کرنا

واجب ہے۔“

③ صفحہ نمبر 108 میں ”تکلم اہانت کہنے والا مباح الدم“ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ”اس ساری بحث کا خلاصہ کلام یہ ہوا جب کسی بھی فرد نے شان رسالت مآب ﷺ اور شعائر دین کی نسبت توہین آمیز کلمات کہے اور یہ مومن فعل کرنے کے بعد یہ کہہ دے کہ میں نے یہ الفاظ بدینتی کے ارادے سے نہیں کہے ہیں بلکہ یہ اتفاقاً صادر ہو گئے ہیں تو اس کے جواب کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔“

اس لیے کہ اگر کسی نے بغیر ارادے کے بھی حضور ﷺ کی اہانت و تنقیص کی اور وہ اگرچہ صراحتاً نہ ہو بلکہ اجمالاً تھی اور اس میں تحقیر توہین کا وہم شائبہ پایا جاتا تھا تو اس ذرا سی گستاخی و بے ادبی پر بھی اس کے کافر اور واجب القتل ہونے کا اہتم نے فتویٰ دیا ہے۔ غرض یہ کہ کوئی بھی فرد دانستہ یا بغیر دانستہ طور پر گستاخی و اہانت رسول کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے لیے شریعت نے واجب القتل ہونے کی سزا مقرر کی ہے۔“

④ صفحہ نمبر 193 میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 61 کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ”اسلامی ریاست میں کسی کی جان و مال، عزت و عصمت کی محافظت و پاسپالی اللہ کی رحمت میں شمار ہوتی ہے۔ ناحق کسی کی جان تلف نہیں کی جاتی اور کسی کا معصوم الدم ہونا بھی اللہ کی رحمت کے باعث ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس کسی کی جان و مال، عزت و آبرو کی محافظت کی ذمہ داری کا رافع ہو جانا بہت بڑی ذلت و رسوائی ہے۔ حتیٰ کہ یہ حکم آجائے کہ جہاں اور جب ملیں انہیں بچن بچن کر قتل کر دیا جائے یہاں تک ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے بسبب اس کے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب کو نہ صرف ہمال کیا ہے بلکہ بے ادبی و گستاخی اور اہانت و تنقیص رسالت کا ارتکاب بھی کیا ہے تو اس منافی و کافر ہوئے۔“

ان کی جان اور مال کے تحفظ کی ان کے حوالے سے اسلامی ریاست کی ذمہ داری بھی ختم ہوئی، معصوم الدم ہونے کے شرف سے محروم ہو کر مباح الدم ہوئے لہذا انہیں تلاش کیا جائے جہاں اور جس جگہ ملیں انہیں اس طرح قتل کیا جائے کہ حق قتل کے تمام تقاضے ادا ہو جائیں دوسروں کے لیے بے عمل نشان عبرت بن جائے حتیٰ کہ اسلامی ریاست میں اس (توہین رسالت) جرم اور روئے کا کلیتہً خاتمہ ہو جائے۔“

⑩ صفحہ نمبر 301 میں "امت مسلمہ کی جہاد گستاخ رسول کے قتل میں ہے" کے ضمن میں لکھا ہے کہ "شان رسالت مآب ﷺ میں بے ادبی و گستاخی کے بعد امت مسلمہ کے زندہ رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ امت کی غیرت و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جوں ہی گستاخی و بے ادبی رسول کا قتل سر اٹھائے تو اس ہی اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس طرح ختم کر دے کہ آئندہ اس کی پرورش و فروغ پانے کے جملہ امکانات اور صورتیں کلیتاً معدوم ہو جائیں۔"

⑪ صفحہ نمبر 357 میں "دستور ریاست سے بغاوت باعث سزا موت" کے ضمن میں لکھا ہے کہ "آج دنیا کے تمام ممالک کے آئین و دساتیر میں یہ بات رقم ہے کہ جو شخص کسی سلطنت و ریاست اور اس کے دستور و اقتدار اعلیٰ سے بغاوت کا ارتکاب کرے وہ سزائے موت کا مستحق ہے۔ تعزیرات پاکستان میں یہ درج ہے کہ کوئی بھی شخص جو پاکستان کے خلاف جنگ یا بغاوت کرے یا جنگ کرنے کی کوشش کرے یا جنگ کرنے میں مدد و اعانت کرے تو ایسا شخص سزائے موت کا مستحق ہوگا۔ یہ اس لیے تاکہ ریاست و سلطنت کا تقدس و احترام اور عظمت و حرمت ہر شے سے بلند و فوق ہے۔ کوئی بھی فرد اس کی شان و شوکت اور عزت و حرمت کو پامال کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔"

غرض یہ کہ انسان کے اپنے وضع کردہ قانون و دستور اور اپنے ہاتھ سے تراشیدہ و تشکیل کردہ ریاست و سلطنت کا احترام و تقدس اس قدر بلند و اونچا کہ اس ریاست کے اقتدار اعلیٰ کے خلاف کسی فرد کا اقدام بغاوت سزائے موت کا مستوجب ٹھہراتا ہے جبکہ وہ ذات جو وجہ تخلیق کائنات ہے جو فخر عالم اہلس و جن ہے جس کے طفیل کائنات کو وجود و ظہور ملا جس سے عالم بشریت کو شعور و فروغ ملا اور جس کے نقوش پا پر چل کر انسانیت اپنی معراج کو پہنچی۔ ہم ایسے ذات کی عزت و حرمت و ادب و احترام اور عظمت و رتبت پر کروڑوں ریاستوں اور آئین کی حرمت و تقدس کو قربان کرتے ہیں۔ آئین و ریاست کا باغی تو واجب القتل ہو جبکہ تاجدار کائنات سرور دو جہاں ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے والا واجب القتل نہ ہو آخر کیوں؟"

درج بالا حوالہ جات کو بلا کسی تبصرے کے ہو بہو نقل کر دیا ہے تاکہ قارئین سمجھ سکیں کہ پروفیسر صاحب نے کیا ہیں اور بولتے کیا ہیں؟ پروفیسر صاحب کی اپنی لکھی ہوئی کتاب کے حوالوں کے بعد اب پروفیسر صاحب کے انٹرویو کی کوئی اہمیت یا وقعت نہیں رہ جاتا، اور ان کا متنازعہ موقف بھی سب کے سامنے واضح ہو گیا ہے۔

پروفیسر صاحب کی کتاب سے بیان کردہ پہلا حوالہ ذمہ دہنی اور کثیر المعانی و قبیل المعانی گستاخانہ الفاظ کے حوالے سے ہے۔ گورنر تاشیر نے قرآن و سنت سے ثابت شدہ قانون تحفظ ناموس رسالت کو لغو و باطلہ کالا قانون اور اسلامی تعزیرات کو طالعاندہ قرار دیا لہذا پروفیسر صاحب کی اپنی بیان کردہ اصل عبارت کے مطابق "یہ عمل شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی و اذیت کے مترادف ہے۔"

دوسرے حوالے میں بتایا گیا ہے کہ اسلام گستاخ کو موقع و منہ کش نہیں دیتا لہذا قادی ممتاز قادری نے بھی موقع ملنے ہی گستاخ گورنر کو مزید منہ کش نہ دی۔ پروفیسر صاحب کی اپنی بیان کردہ اصل عبارت کے مطابق گستاخ ابدی لعنتی اور جہنمی ہے یعنی تاشیر ابدی لعنتی اور جہنمی ہے۔

تیسرے حوالے میں گستاخی کی وضاحت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ گستاخ کی وضاحت قابل قبول نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گورنر تاشیر نے قتل سے قبل جی سی یونیورسٹی لاہور میں جو عذر گناہ پیش کیا تھا وہ ناقابل قبول ہے۔

چوتھے حوالے میں بتایا گیا ہے کہ جو بھی کوئی شخص توہین رسالت کا ارتکاب کرتا ہے اسی لیے ریاست کے شہری ہونے کے حوالے سے اسے ملا ہوا تحفظ ختم ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا جو بھی گورنر تاشیر توہین رسالت کا مرتکب ہوا تو ریاست ہر اس کی جان و مال کے تحفظ کا ذمہ ختم ہو گیا لہذا پروفیسر صاحب کے اپنے بیان کردہ حوالے کے مطابق وہ جہاں بھی ملا اسے قادی ممتاز قادری نے مار دیا اور 27 گولیاں اس کے ناپاک وجود میں اتار کر حق قتل پورا کیا اور تاشیر کو دیگر منکرین قانون تحفظ ناموس رسالت کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔

پانچویں حوالے کے مطابق جیسے ہی تاشیر نے گستاخی کی قسمی امت مسلمہ پر لازم ہو گیا تھا کہ "کا قلع و قمع"

کرنے۔ بالآخر غازی ممتاز قادری نے امت مسلمہ کی طرف سے یہ فریضہ پورا کیا، نہ صرف پورا بلکہ اس طرح باحسن مہیا کد اب بڑے بڑے مفکرین شان رسالت مآب ﷺ بات کرنے سے قبل سینکڑوں مرتبہ سوچتے ہیں۔

چھپے حوالے میں بتایا گیا ہے کہ ریاست کی بغاوت یا مخالفت کی سزا موت ہے۔ جب ریاست کے باقی کی سزا موت ہے تو وجہ کائنات آقائے دو عالم ﷺ کے باقی کی سزا بدرجہ اتم موت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لیے ریاست کے سینکڑوں دستگیر اور آئین قربان ہیں۔ پروفیسر صاحب کے اپنے بیان کردہ حوالے کے مطابق غازی صاحب نے بھی تو رسول اللہ ﷺ کی ناموس کا تحفظ کیا ہے پھر کیوں ملکی دستور و آئین ان کے مخالف ہیں اور پروفیسر صاحب کیوں و کس طرح غازی صاحب پر ریاستی قانون ہاتھ میں لینے کا الزام قہو پتے ہوئے ان کے لیے موت کی سزا تجویز کر رہے ہیں؟؟

پروفیسر صاحب اقوام متحدہ میں اپنے لیے نشست حاصل کرنے کے لیے کسی اور طرح کی چال چلتے ہوئے بیہودہ نصاریٰ کی کاسہ لیس کر تے تو شاید کسی حد تک کامیاب ہو جاتے لیکن اہل اسلام غازی اسلام ملک ممتاز حسین قادری کے فعل مبارک کو پروفیسر صاحب کی ڈاکٹری اور ناکام و نامراد فلسفے کی جینٹ ہرگز نہیں چڑھنے دیں گے۔

میر کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لوٹنے سے دوا لیتے ہیں

آخر میں ایک حوالہ پیش کر کے ہم اجازت چاہتے ہیں کہ تقریباً پون صدی قبل جب غازی علم الدین شہید ﷺ نے ملعون راجپال کو داصل جہنم کیا تھا تو دجال قادیان مرزا غلام قادیانی کے ناخلف بیٹے اور قادیانیوں کے دوسرے چیف گرد مرزا بشیر الدین قادیانی نے ان الفاظ میں احتجاج کیا تھا "اسی طرح اس قوم کا جس کے جو شے آدمی قتل کرتے ہیں، غواہ انبیاء کی تو ہیں کی وجہ سے ہی وہ ایسا کریں، فرض ہے کہ

پورے زور کے ساتھ ایسے لوگوں کو دبائے اور ان سے اظہار برأت کرے۔ انبیاء کی عزت کی حفاظت قانون شکنی کے ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ وہ نبی بھی کیا نبی ہے جس کی عزت بچانے کے لیے خون سے ہاتھ رگھنے پڑیں۔ جس کے بچانے کے لیے اپنا دین چاہ کرنا پڑے۔ یہ سمجھنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لیے قتل کرنا جائز ہے سخت ناواقف.....

وہ لوگ (غازی علم الدین وغیرہ) جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جو ان کی پیچھے فٹو لٹکا ہے وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔ میرے نزدیک تو اگر کسی شخص (راجپال کا) قاتل ہے جو گرفتار ہوا ہے تو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کے پاس جائے اور اسے نکھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں اب ملے گی ہی، لیکن قتل اس کے کردہ ملے، تمہیں چاہیے خدا سے صلہ کر لو۔ اس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ اسے بتایا جائے کہ (غازی علم الدین) تم سے غلطی ہوئی ہے۔"

(الفضل قادیان، جلد: 16، شمارہ: 82، صفحہ: 7-8، مورخہ: 19 اپریل 1929ء)
قارئین پون صدی قبل جس نبی باطن کا اظہار مرزا قادیانی کے ناخلف بیٹے نے کیا تقریباً انہی الفاظ سے اسی مفہوم میں یہ پہلے دور حاضر میں فتنہ طاہریہ پروفیسریہ کے بانی پروفیسر طاہر القادری نے انٹرویو میں کہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ مرزا کے بیٹے بشیر الدین کے ہی ہیں اور زبان پروفیسر صاحب کی۔

نہ تم صدے ہمیں دیتے

نہ ہم فریاد یوں کرتے

نہ کھلتے راز سر بست

نہ یوں رسوائیاں ہوئیں



غازی ممتاز قادری کی سزا ایک نیا محاذ

دنیا کے بعض دیگر ترقی یافتہ ممالک مغرب و اسلامی ممالک کی طرح پاکستان میں بھی انبیاء علیہم السلام کی توہین کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سزا کا قانون موجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پاکستان میں اس قانون کا نفاذ بعض مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت بعد میں ہوا ہے نیز مغربی دنیا میں اس طرح کے کسی قانون کو باہوم کسی تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ ایسے قوانین سماجی اقدار و روایات کا حصہ بن چکے ہیں۔ لیکن پاکستان میں اس قانون کے نمٹناٹے ہونے کے باعث بعض بظاہر روشن خیال مگر عملاً مادہ پرست آزاد گھر کے حامی اور پاکستان کے لیے توسیع کار خا صراس قانون کو تیر و دفتر کا نشانہ بناتے رہنے کو ایک فیشن کے طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔

گورنر پنجاب سلمان تاہمیر ایسی پس منظر میں قتل ہوئے۔ نہ صرف گورنر پنجاب سلمان تاہمیر بلکہ ان کی دیگر روشن خیالی کا شکار عام سربھمی ان دنوں قانون تحفظ ناموس رسالت کے خلاف ہانگ دہی بحث مباحثوں میں حصہ لے رہے تھے لیکن سچی بات یہ ہے کہ سلمان تاہمیر اپنی افتاد میں کے باعث اس معاملے میں سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ واقع ہوئے۔ نہ صرف یہ کہ ان کی زبان پر ہر چیز بے دریغ آتی تھی بلکہ وہ بے پرواہ ہو کر ہر وہ کام کرنے کے حامی تھے جو ان کی روشن خیالی کو نمایاں کر سکے۔ اس وجہ سے سلمان تاہمیر کی شخصیت موضوع بحث بن رہی تھی لیکن جس چیز نے گورنر کی شخصیت کو پاکستان میں ہی نہیں دنیا بھر میں توجہ کا مستحق بنایا وہ توہین رسالت کی مرکب لکھنؤ حاصیہ کی قاعدے اور شاہیٹے سے ادا رہائی کے لیے اپنے آئینی منصب کی پرواہ کیے بغیر ووٹ دھوپ تھی۔

باہر کی دنیا میں یہ چیز گورنر کی شخصیت کے لیے مثبت مگر پاکستان میں انتہائی منفی تعارف کا ذریعہ بنی اور بالآخر گورنر کے اسی تشخص کی وجہ سے ایلینٹ فورس سے تعلق رکھنے والے ایک اہلکار نے مشتعل ہو کر جنوری 2011ء کے شروع میں انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ گورنر کو مذہبی جذبات بھجروا کرنے پر قتل کرنے والے ایلینٹ فورس کے اس اہلکار کا نام ملک ممتاز حسین قادری ہے جنہوں نے قتل کے فوری بعد خود کو قانون کے حوالے کر دیا اور گورنر کو مذہبی جذبات بھجروا کرنے اور اشتعال پھیلانے کی وجہ سے قتل کرنے کا اعتراف بھی کیا۔

ممتاز حسین قادری کو انسداد دہشت گردی کی عدالت نے اقبال جیل راولپنڈی میں ایک تیزی سے کیے جانے والے

عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز ہے

یا رسول اللہؐ تیرے چاہنے والوں کی خبر
سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر
ہر زبان پہ ہر طرف یہ ایک ہی آواز ہے
عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز ہے
ہر دم مولا یہ رکنا خاص تو اس پہ کرم
جس جوں نے رکھ دیا ہے سب غلاموں کا بھرم
بندگی کو فخر ہے اس پر، عاشقی کو ناز ہے
عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز ہے
عشق کا جذبہ نہیں ایمان سے ہوتا جدا
ایک عاشق نے کیا ہے اپنا حق بے شک ادا
تم بھی اهو عهد ملت ہر طرف آواز ہے
عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز ہے
عشق کی دارلگی دیوانگی اچھی گلی
اک دیوانے کی ہمیں دیوانگی اچھی گلی
ایک عاشق نے اسیری میں پریمی نصرت نبیؐ
سب غلامان نبیؐ کو وہ بڑی اچھی گلی
یا رسول اللہؐ تیرے چاہنے والوں کی خبر

سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر

چاندنی بھٹ

چاندنی بھٹ

اول کے دوران موت کی سزا سنائی ہے۔ ملک ممتاز حسین قادری کے ہاتھوں گورنر شہر کے قتل کے بعد کی زادیے سامنے آئے۔ غازی مسلم بین شہید کے مذکر سے ایک نئے آپگ کے ساتھ ابھرے اور اہم شخصیات کی سیوری پر باسور ہنگاموں کی اسکرولنگ سے سرے سے کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ذرائع ابلاغ پر قانون تحفظ ماموں رسالت کے بارے میں آگافانہ شروع ہو جانے والے مٹھی پر پینکٹور اور فٹاکر ہوئی۔ یہ احساس بڑھا کہ مجیدہ حساس اور مذہبی عقائد و جذبات سے تعلق رکھنے والے ایٹوز اور معاملات پر کسی کو بھی احتیاط اور ذمہ داری کے پیرائے میں ہی بات کرنی چاہیے بصورت دیگر چپ رہنا زیادہ بہتر ہے۔

گہی بات یہ ہے کہ ممتاز حسین قادری کے ہاتھوں فرائی ایشائل گفتگو کے عادی گورنر پنجاب کے قتل کے بعد حکومت میں شامل اور حکومت سے باہر سچ پر ایک غیر مری اتفاق دیکھا گیا کہ کسی کے جذبہ بھجرج کرنے کا اندازہ لکھ اور یہیہ معاشرے میں خوشگوار بیت کا ذریعہ بن سکتا۔ نیز یہ کہ قانون آئین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کام کار یا سنی و کھوشتی عہدیداروں سمیت ہر ایک کے لیے یکساں ضروری ہے۔ ایک جانب ماورائے عدالت و آئین ملعونہ حاصیہ کی رہائی کے جاری صدیقی ہم رنگی اور دوسری جانب ملک ممتاز حسین قادری کے خلاف مقدمہ کی ساحت کا باضابطہ آغاز ہو گیا۔ تقریباً نو ماہ تک سے بھی کم دورا ہے کے لیے زیر ساحت رہنے والے اس مقدمے کے دوران ایک بھی ایسا موقع نہیں آیا کہ ملک ممتاز حسین قادری کے نقطہ نظر کے حامیوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر سامن و امان کی صورتحال پیدا کرنی چاہی ہو۔ تاہم حکومت نے اس مقدمہ کی حاسیت کے باعث اسے ٹیل کے اندر ہی چلانے کا فیصلہ کیا اور یوں ساحت راو پینڈی کی اڈا ل جیل میں ہوئی رہی۔ جس کا فیصلہ یکم اکتوبر کو سامنے آچکا ہے۔

عدالتی فیصلے میں بنیادی طور پر دو باتیں گہی ہیں کہ اولاً تو جن رسالت کا کتاب کرنے والے کے لیے شریعت میں ایک متعین سزا موجود ہے تاہم عدالتی فیصلے کے بعد تو جن رسالت کے مرتکب شخص کو یہ سزا دینے کا اختیار کسی فرد کو نہیں دیا جا سکتا۔ اسی چیز کو بنیاد بنا کر ملک ممتاز حسین قادری کو دو مرتبہ سزا موت اور دو لاکھ روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ قانونی اور سماجی حلقوں کے علاوہ بحیثیت مجموعی پورے پاکستان میں عوامی سطح پر یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ ایک طرف عدالت نے بالواسطہ طور پر سلمان تا شہر کو تو جن رسالت کا مرتکب تسلیم کر لیا اور دوسری جانب غازی ممتاز قادری کی طرف سے اشتعال کے باعث قتل کی سزا بھی محض سزاے موت نہیں بلکہ دو مرتبہ سزائے کیوں سنائی گئی؟

نبی ﷺ کے عقیدت و محبت اور مشق کو اپنانا ایمان سمجھنے والے مسلمانوں کی غالب اکثریت کے لیے یہ سزا اس وجہ سے بھی محل نظر ہے کہ عدالت نے ایک خاندانہ جہی اور مذہبی معاملے کو انگریزی طرز کے قانون کے معیارات پر جانچنے کی

کوشش کی اور اس کیس کے مذہبی تناظر کو بھیس پشت رکھ دیا۔

ایسے لوگ جن کی تعداد ملک میں کم نہیں ہے یہ بھی سوال اٹھا رہے ہیں کہ ماہ مارچ میں جب پاکستان کی ایک فرائل کورٹ نے امریکی قاتل ریمنڈ ڈیوئس کو رہا کرنے کے لیے اوپر کی ہدایات کو قائل کیا تو اس دوسرے مقدمہ قتل کا شرعی نقطہ نگاہ سے فیصلہ تو دیکھا البتہ عدالت نے اپنے محکمہ خرد کوشش کی اور ریمنڈ کے دوہرے قتل کے مقدمہ کا باضابطہ فیصلہ سامنے آنے سے پہلے ہی شریعت کا استعمال کرتے ہوئے رہا کر کے بحفاظت پاکستان سے فرار کروا دیا۔ جب کہ ملک ممتاز قادری کے کیس میں ایک دوسری پاکستانی عدالت نے بالکل ایک دوسرا ذریعہ نگاہ اپنایا اور ان کوہے قتل کے واقعے میں ملک ممتاز حسین قادری کو دو مرتبہ سزاے موت سنائی۔ سات دن کے اندر عدالت نے ملک ممتاز حسین قادری کو باقی کورٹ میں اپیل دائر کرنے کا حق دیا ہے۔

بالا شبہ داخلی عدالتوں میں اس فیصلے پر دونوں طرف کی نقد و نظر کے کئی مواقع آئیں گے اور ہو سکتا ہے کہ وہ سارے سوالات، اعتراضات اور قانون کی تاویلات جن کا فرائل کورٹ میں احاطہ نہیں کیا جاسکا۔ اعلیٰ عدالتوں میں ان میں سے ایک ایک چیز اور ایک ایک تکریر حاصل انداز میں زیر بحث آئے۔ نہ صرف یہ کہ اعلیٰ عدالتیں قانونی و شرعی سمیت تمام کئی و ملی حوالوں سے اس کیس کو دیکھیں بلکہ اس معاملے میں بعض پہلوؤں سے قانون سازی کے حوالے سے بہت سے نکات کی اہمیت واضح ہو۔ اس لیے جس جگہ اور نیز قرار سے فرائل کورٹ نے اس مقدمے کا فیصلہ سنایا ہے عموماً توقع ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کو ایسی کسی جگہ سے زیادہ اس کیس کی ملک کے اندر حاسیت کا زیادہ خیال رہے گا۔ اس لیے اس کیس کا مستقبل کیا ہوتا ہے اس کے لیے عدالت میں ہونے والی بحثوں اور جرم کا اظہار رہے گا۔ البتہ جو چیز اللہ اور دہشت گردی کی عدالت کے فیصلے سے فوری طور پر سامنے آئی ہے اور جس کی روشنی میں قتل کی تصویر بنائی اور قومی سطح پر دیکھی جاتی ہے وہ اس فیصلے پر ملک کے کئی کوچوں اور قصبوں قریوں میں سامنے آنے والا زبردست فطری رد عمل ہے۔

یکم اکتوبر کو اڈا ل جیل میں سناٹے جانے والے فیصلے کے فوری بعد یہ خبر جھگی کی آگ کی طرح ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی کہ عدالت نے غازی ممتاز حسین قادری کو دو مرتبہ سزائے موت دینے کا فیصلہ دیا ہے۔ اس فیصلے کی اطلاع پر راو پینڈی اور لاہور سمیت تقریباً ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبے سے غم و غصے اور احتجاج کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔ اگلے روز کارچی میں بھی دستخط کیا ہے پراحتجاج ہوا۔ جن شہروں میں پہلے روز احتجاج نہ ہو سکا دوسرے روز وہاں بھی احتجاج شروع ہو گیا۔

مذہبی و دینی جماعتیں باہم ایک مرتبہ بھر راہ لگنے لگیں۔ ان جماعتوں کے لیے اس معاملے میں مشترکہ حرکت عملی

اس لیے بھی ضروری سمجھی جا رہی ہے کہ تقریباً ایک سال قبل جب ملعونہ جاسر کی باورائے عدالت رہائی کے لیے ایوان صدر کی ہدایت پر کوششیں شروع ہوئیں اور بعض مغرب نوا ذرائع نے قانون تحفظ ناموس رسالت کے خلاف موجود قانون پر اثر انداز ہونے کی کوشش شروع کی تو مذہبی جماعتوں کے مشترکہ لائحہ عمل اور اتحاد کا اثر یہ ہوا ہے کہ یہ معاملہ حکومت کے اندر موجود عناصر کے لیے بھی آسان نہ رہا اور انہیں بعد ازاں وہ یک کر بیٹھنا پڑا۔

مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین نے فوری طور پر باہم رابطے کر کے مشاورت شروع کر دی ہے۔ جمعیت علمائے پاکستان نے اس سلسلے میں تحریک ناموس رسالت کا ایک غیر معمولی اجلاس لاہور میں طلب کیا۔ سنی اتحاد کونسل نے 17 اکتوبر کو ہڑتال کی کال دی جو بہت کامیاب رہی۔ جب کہ دیگر جماعتوں کی کوشش ہے کہ آئندہ چند روز کے دوران اس سلسلے میں باضابطہ اعلیٰ سطح کا اجلاس طلب کیا جائے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تمام مذہبی سیاسی جماعتوں نے باہم اہم اذیتوں میں ہونے والے اس اہم مقدمہ کی ساعت کے دوران خود کو مکمل طور پر الگ تھلگ رکھا تھا لیکن اب جس طرح ملک ممتاز حسین قادری کو دوسرے جہیزائے موت سنائی گئی ہے اس کے بعد یہ خود کو الگ نہ رکھ سکیں گی۔ کیونکہ یہ جماعتیں سمجھتی ہیں کہ امر کی دیکھیں گے کہ جواب میں ہونے والی اسے اپنی ہی سے اگلے ہی روز اس حساس مقدمہ کا فیصلہ آجائے گا۔ پاکستان کے مذہبی جذبات کو گھیس بچانے اور قوم میں تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں سکتا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ قومی یکجہتی و اتحاد میں کوئی ایسا رخ نہ پیدا ہونے دیا جائے جس سے ملک کے اندر اور باہر کی دشمن طاقتوں کو فائدہ ہو۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین کے مطابق پاکستان کی یکجہتی و اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی خواہش مدح و تحسین اس موقع پر پاکستان میں فرقہ وارانہ مسائل پیدا کرنے کی کوشش بھی کر سکتی ہیں اس لیے دینی قیادت کی کوشش ہوگی کہ اس اہم اور حساس نوعیت کے مقدمہ کے حوالے سے مشترکہ موقف اور مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں۔

گوکہ ملک کے اندر ایک مرتبہ بھر یہ موقع پیدا ہو گیا ہے کہ مذہبی جماعتیں ایک مشترکہ لائحہ عمل جو کسی بھی طبقہ، ہر دینی طاقت یا حکومت میں شامل بعض عناصر کی ایسی کھلی یا در پردہ کوششوں کی راہ میں فراہم کرے جو وہ مذہبی جماعتوں کو تقسیم کرنے یا ہمارے لڑائے اور توہین رسالت کے خلاف قانون کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔

مذہبی جماعتوں کے ذرائع کے مطابق اس حساس ترین مذہبی معاملے میں اگر حکومت نے سواد اعظم پاکستان کے جذبات اور عقائد کا احساس نہ کیا تو مذہبی جماعتوں کو مجبوراً حکومت کے خلاف متحد ہونا ہوگا کیونکہ ماضی میں گورنر خیر متکوئی منصب پر فائز ہوتے ہوئے ہی ایسی کوششوں کا شریک حصہ رہے ہیں۔

دینی جماعتوں کے لیے یہ سوال بھی اس موقع پر اہم ہو گیا ہے کہ ملک کی بڑی سیاسی جماعتیں جو غازی ملک ممتاز حسین قادری کو سزا سناتے جانے کے حوالے سے خاموش ہیں، کمال کیا موقف اختیار کرتی ہیں؟ اس لیے مذہبی جماعتوں کو اپنے آئندہ دنوں میں ہونے والے اجلاسوں میں غیر مذہبی تاثر رکھنے یا اپنانے والی سیاسی جماعتوں کے کردار کو بھی دیکھنا ہوگا۔ خصوصاً ان جماعتوں کو اپنے ساتھ ایک مشترکہ لائحہ عمل میں شریک کرنے کے لیے کوشش کرنا ہوگی جو بعض عالمی طاقتوں کے دباؤ یا اہل مغرب کے سامنے اپنے ”سافٹ اینج“ کو پیش کرنے کی خاطر خود کو اس موضوع سے اپنے فطری جذبات کے برعکس الگ تھلگ رکھنے کی کوشش میں ہیں۔

17 اکتوبر کو سنی اتحاد کونسل کی اپیل پر ہونے والی کامیاب ہڑتال اس سلسلے میں آئندہ دنوں کے عوامی رجحانات کی تشکیل اور وضاحت کے لیے سنگ میل ثابت ہوگی۔ اس لیے دیگر پرانی اور منظم مذہبی جماعتوں کی کوشش ہونی چاہیے کہ جو بھی احتجاج یا ہڑتال جو وہ مثبت تاثر کے ساتھ اور پُر امن انداز میں آگے بڑھے۔

اعلیٰ عدالتوں میں غازی ممتاز حسین قادری کے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا تاہم ممتاز قادری کے خلاف ٹرائل کورٹ کے فیصلے کے بعد عوامی سطح پر جو فضا اور احتجاج سامنے آیا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غازی ممتاز قادری کو محض مذہبی جماعتوں کے وابستگان ہی نہیں اہل ایمان پاکستان کی غالب اکثریت غازی علم الدین شہید کے راستے کا راہی سمجھتی ہے۔ اب غازی ممتاز قادری کے ساتھ پاکستانی قانون اور عدالت کیا معاملہ کرتی ہے؟ یقیناً اہل پاکستان کے لیے یہ کافی اہمیت کا سوال ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب مذہبی جماعتیں ہی نہیں جدید مستند ملتانی دین اور علماء کرام بھی غازی ممتاز قادری کے خلاف فیصلے کو غیر شرعی قرار دے چکے ہیں۔



الہی! پُر اثر میری دعا کر

بجاء مصطفیٰ خیر الوری کر

خداوند! دعا میری یہی ہے

میرے ممتاز قادری کو رہا کر

ایک ممتاز عہ ترین فیصلہ

معاشرے میں اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ایسے معاملات میں دخل ہونا جن معاملات میں آگاہی چند مجلسوں سے زیادہ نہ ہو اور خاص طور پر دینی اور شرعی معاملات میں مکمل علم کے بغیر گفتگو کرنے سے تو معاشرے میں بگاڑ اور انتشار پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ممبر محل بہ معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور ایمان کے جذبے سے سرشار لوگ جان لینے اور جان دینے کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔

سابق گورنر سلمان تاثیر کا قتل پر بغیر پاک و ہند میں اس نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں ہے۔ جب بھی کسی غیر مسلم یا مسلمان شخص نے شریعت کی طے شدہ حدود کو چھلانگ مارتی تو شریعت کی توجہ امت مسلمہ کے غیظ و غضب سے نکل نکلتا ہے۔

غازی ٹیلم وین شہید رحمۃ اللہ علیہ اس عمر کے تھے کہ جنت کے مسکن تھے اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسا جدید علوم پر عادی انسان بھی یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ہم تو بائیس کرتے رہ گئے مگر کھان کا بیٹا بازی لے گیا۔ غازی ٹیلم وین جن پر قائم کیے گئے مقدمہ کی وکالت بانی پاکستان بھی اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے میاوانی جیل میں مختہ دار پر مجرم کر دیا گیا۔ لیکن امر ہو گئے اور دمشق رسول رحمۃ اللہ علیہ میں ان کا نام ایک استعارے کے طور پر لیا جاتا ہے۔

سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے ایک انجمنی اہم مددے پر فائز ہونے کے باوجود جس طرح توہین رسالت کے احساس کی نہ صرف پشت پناہی کی بلکہ خود بھی اس حوالے سے بلند آہنگ ہوئے ان کا وہ رویہ نہیں ابدی خیر نہ لایا۔ سلمان تاثیر کے گستاخانہ اور مزید بڑے پروفاقی حکومت نے جس طرح خاموشی اختیار کی اس پر ملک کے طول و عرض میں مسلمان شدید ناراض تھے اور بعض کی ناراضگی ان کے جذبات کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

توہین رسالت کے جرم میں سزا یافتہ ایک مجرم خاتون سے جس طرح جیل میں سلمان تاثیر نے ملاقات کی اور اس ملاقات کو دنیا بھر میں پھیلانے کے لیے جس طرح وہ جیل کے اندر ایک شروٹک میڈیا کو لے گئے اور مجرمہ سے صدمہ زداری کے نام اکیلے بارخواست پر دستخط کرائے گئے اس پر غازی ممتاز قادری سمیت بہت سے لوگ بہت دل گرفتہ تھے۔

اس موقع پر اگر وفاقی حکومت بالخصوص صدر مملکت کا مظاہرہ کرتے اور پنجاب میں اپنے اہلحد سے (گورنر) کو منع کر دیتے یا ان سے انتہائی ہی طلب کر لیتے تو نہ صرف یہ کہ سلمان تاثیر کی جان بچ جاتی بلکہ اسلام آباد پاکستان کے دل میں بھی

مکمل قیادت کے بارے میں تحسین کے جذبات پیدا ہوتے۔

لیکن بقول فیضی جس طرح محتول سلمان تاثیر اپنے بیانات اور فی وی کیمرہ کے ذریعے مجرمہ سے ملاقات کو اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کا ذریعہ بنا رہے تھے اسی طرح وفاقی حکومت بھی درپردہ ان کو خوشوں میں ان کی ہموار تھی اس کا کیا جواز تلاش کیا جائے کہ محتول سلمان تاثیر نے بلاوجہ شرعی قوانین اور حدود میں نہ صرف ناگہان اڑائی بلکہ انھیں کالا قانون قرار دے کر ان کا مذاق بھی اڑایا۔ شرعی قوانین کے علاوہ کئی آئین (جس میں حدود اہلدار و شریعت کو پریم تسلیم کیا گیا اور اہلحق کی ذات کو حاکمیت الہی کے طور پر مانا گیا ہے) کا بھی انھوں نے مذاق اڑایا اس پر توجہ دلانے اور علانے دین کی حاجت سے احتجاج کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور وفاقی نے اس کا ٹوس لیا۔

ان حالات میں پنجاب ایلٹ فورس کے جہان ملک ممتاز حسین قادری نے جو اسلام آباد میں گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے خفاقی دستانے میں شامل تھے انھیں 4 جنوری 2011ء کو کوہسار مارکیٹ اسلام آباد میں سرکاری رائل سٹول سے درجنوں گولیاں پیوست کر کے قتل کر دیا۔ ملک ممتاز قادری نے اپنے اس فعل کے بعد زمین پر لے کر خود گولہ کاری دی۔

ان کے خلاف راولپنڈی کی انسداد دہشت گردی کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمے کا فیصلہ دس ماہ سے بھی کم عرصے میں یعنی یکم اکتوبر کو انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت نمبر 2 کے بیج پرویز علی شاہ نے سنایا حالانکہ عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق ملک میں 35 ہزار سے زائد ملزمان کے خلاف قتل کے کیس سالہا سال سے زیر التوا ہیں۔ ممتاز قادری کو سلمان تاثیر کو قتل کے کرنے کے جرم میں دو دفعہ سزائے موت اور دو لاکھ جرمانے کی سزا سنائی گئی ہے۔

ابتداء میں خصوصی عدالت نمبر 2 کے بیج اخلاق حسین نے اس مقدمے کی سماعت کی۔ ان کا فراسفر ہونے کے بعد پرویز علی شاہ کو اس عدالت کا بیج بنایا گیا جو اس سے پہلے راولپنڈی میں ایڈیشنل سیشن بیج کے طور پر ذمہ دار یاں ادا کر چکے ہیں۔

راولپنڈی کے ممتاز عالم دین علامہ محمد حلیف قریشی کے مطابق لوہ کورٹ کا یہ فیصلہ یقینی طور پر کسی دباؤ یا لالچ کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ حکومت اور وفاقی صوبہ کے ذریعہ انتظام تقبلی ادارے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اٹھارہ کروڑ مسلمانوں کے اس ملک میں ممتاز قادری جیسے حقائق رسول کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ اس فیصلے کے خلاف ہم ابھی تک صرف احتجاج کر رہے ہیں جو ممکنہ طور پر لال مسجد کی تحریک کی طرز پر ایک تحریک کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اس لیے عکبر انوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ عوام پہلے ہی مداخلت کے ستارے ہوئے ہیں اور ہم سے ان کے مذہبی عقائد پر حملہ کرنے والوں

کیا بوجہ پشت پناہی کی جارہی ہے اور عاشقانِ رسول ﷺ کو سزائے موت دینے جانے کے فیصلے دہاؤ کے ذریعے کرائے جا رہے ہیں۔ مسلمان تاحیر قل کس میں میرا نام بھی ایک ظلم کے طور پر شامل کیا گیا۔ ممتاز قادری کے ساتھ ظلم کے طور پر اپنا نام شامل کیے جانے پر مجھے درحالی غشی ہوئی کہ ہم بھی عاشقانِ رسول ﷺ میں سے ہیں جو آپ ﷺ کی ذات اقدس کے خلاف ارادہ براہِ توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

ملک ممتاز قادری کو سزائے موت سنائے جانے پر ملک میں ایک نیا عاصف اٹھ اٹھا ہے اور تمام دینی جماعتوں نے اس فیصلے کی مذہبِ شدید مذمت کی ہے بلکہ اس فیصلے کے خلاف احتجاج میں بھی تمام بڑی دینی جماعتیں اپنے اپنے طور پر شریک ہیں۔ تمام دینی حلقے اس فیصلے کے خلاف سرگرم ہیں اور یہ عزم کیے ہوئے ہیں کہ سزائے موت کے اس فیصلے پر کسی صورت مکمل وراہ نہیں ہونے دیا جائے گا۔

یہاں یہ امر بھی وضاحت طلب ہے کہ ایک طرف تو پٹنیز پارٹی کی موجودہ حکومت مغربی معاشرے سے متاثر ہو کر سزائے موت کے قانون کے خلاف ہے۔ مقتول گورنر تاحیر کی طرح اس پارٹی کی ماضی کی قیادت شری قوانین کو کالے قوانین سے بھی تشبیہ دے چکی ہے لیکن دوسری طرف اس نے اسٹے ہائی پروڈیکل مقدمے میں عازمی ممتاز قادری کو سزائے موت سنائے جانے پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ مبصرین کی رائے میں ابھی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے ہونا باقی ہیں اور زیادہ امکان یہی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ فیصلہ اعلیٰ عدالتوں میں برقرار نہیں رہ سکے گا۔ مبصرین کی رائے میں یہ فیصلہ ان ہردینی داعیوں کی قوتوں کو خوش کرنے کی ایک کوشش ہے جو پاکستان کے آئین میں موجود مختلف ناموں رسالت ایکٹ کو ختم کرائے گئے ہیں۔

سزائے موت کا فیصلہ سنائے جانے کے بعد ملک ممتاز قادری کے عشقِ رسول ﷺ کے جذبات دو چند ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے خاندان کے افراد اور وکلاء کے ساتھ طاقت کے موقع پر عداوتِ قرآن کریم کے بعد عدالتِ رسول کریم ﷺ کے آگے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔ ممتاز قادری کے خاندان کے لوگ بھی اس فیصلے کے خلاف احتجاج میں شریک ہیں لیکن انھیں اپنے ایمانی کے فضل پر نہ غما ہے اور نہ اس فیصلے کے بعد وہ کسی بڑی پریشانی کا شکار ہیں۔ قانونی ماہرین کا خیال ہے کہ آئی کورٹ میں اپیل کے نتیجے میں ممتاز قادری کی سزائے موت ختم ہو جائے گی۔ ان کے خیال میں خصوصی عدالت نے اپنے فیصلے میں بہت سے اہم نکات کو اہمیت نہیں دی جن پر غور کیا جا ضروری تھا۔



غازی ممتاز قادری کو سزا قانون دانوں کی نظر میں

تاحیر قل کس میں خصوصی عدالت کی جانب سے غازی ممتاز قادری کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف ملک بھر میں دینی جماعتیں سراپا احتجاج ہیں۔ ممتاز قادری کا مقدمہ غازی علم دین شہید کی طرح ہو گیا ہے۔ یہ کس جو اشتغال میں آکر قتل کرنے کا تھا؟ دفعہ 302-C کے تحت آتا ہے۔ اس کیس کے فیصلے کے حوالے سے ملک کے ممتاز وکلاء و آراء درج ذیل ہیں۔

• توفیق آصف ایڈووکیٹ:

یہ مقدمہ 302-C کے تحت چلایا جانا چاہیے تھا۔ اس کے دلائل بڑے واضح ہیں۔ عدالت نے سزائے موت کے لئے جو دلائل دیئے ہیں وہ اضافہ کا تقاضا نہیں کرتے۔ کیوں کہ ممتاز قادری نے قتلِ اشتغال میں آکر کیا ہے اور اس میں سزائے موت قانون کے مطابق نہیں ہے۔ موت کی سزا اس جرم کی سزا نہیں ہے جو ممتاز قادری نے کیا۔ یہی کوئی بھی ایسا اشتغال جس میں انسان خود پر قابو نہ رہے تو ایسی حالت میں بہت سی چیزیں اس کے اپنے کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہیں۔ اس حالت میں جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ صرف اشتغال کے تحت ہوتا ہے۔ اس میں کوئی ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے دفعہ 302-C کو شامل کیا گیا ہے۔ اس لئے جب بھی غیرت کی وجہ سے کوئی قتل ہوتا ہے اس میں 302-C کے تحت سزا دی جاتی ہے۔ عام طور پر اس دفعہ میں قاتل کو اس لئے رعایت دی جاتی ہے کہ اگر وہ شخص قتل کرتا ہے تو وہ قتلِ اشتغال کے تحت آتا ہے اور اشتغال کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جس میں وہ اپنے قابو میں نہیں ہوتا۔

ممتاز قادری پر دہشت گردی کا الزام بالکل غلط ہے۔ دہشت گردی کا جرم فساد فی الارض کے ذمے سے آتا ہے۔ ممتاز قادری فساد فی الارض کا مرتکب تو نہیں ہوا۔ اس الزام میں انھیں بالکل بھی سزا نہیں ہونی چاہیے تھی۔ وہ محض ایک شخص کے قتل کا مرتکب ہوا ہے۔ لیکن اس پر دہشت گردی کا مقدمہ بنا دیا گیا۔

اگرچہ مثال دینا مجھ سزاگاہ ہے لیکن حکومت کی جانب سے امتیاز برتا گیا ہے۔ امریکی جاسوس ریٹرنڈ ہو جانے کے بارے میں سرعام بین الاقوامی الزام لگایا لیکن اس کے خلاف دہشت گردی کا مقدمہ نہیں بنے دیا گیا۔ یہ تو پراپیگنڈا کا کام ہے کہ وہ اس پر بات کرے کہ اس نے دہشت گردی کی اور ملک امن سے باہر لے گا۔ اگر ملحد عدالت آجاتا ہے کہ عدالت

اس کا فیصلہ کرے گی کہ یہ دفعہ صحیح لگائی گئی ہے یا غلط۔

میرے خیال میں دہشت گردی کی دفعہ کے تحت مقدمہ درج نہیں ہونا چاہیے تھا اور عدالت کو یہ کہیں اس دفعہ کے تحت نہیں سنا چاہیے تھا۔ جہاں تک دہشت گردیت کا تعلق ہے اس بارے میں قانون تو یہ ہے کہ جس مقدمے میں انسداد دہشت گردی کے قانون سے لے آئے (ATA) کا سیکشن 7 کا ہو تو وہاں پر مقدمہ فساد فی الارض کے ضمن میں لایا جائے گا پھر اس کی دہشت گردیت نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں تفسیر نہیں ہوتا۔

ریمنڈ ویز کیس میں متعلقین کے دکھانے کے خلاف انسداد دہشت گردی کے سیکشن 7 کے تحت مقدمہ درج کرانے کے لئے کہتے رہے۔ اس لئے انہوں نے ہائی کورٹ میں پیشین بھی دائر کی۔ اگر اس مقدمے میں دہشت گردی کی دفعہ لگ جاتی تو پھر تفسیر نہیں ہو سکتی تھی۔ لہذا حکومت کی نیت ابتدا سے ہی درست نہیں تھی۔ ریمنڈ ویز کو تو ایسے ہی پھرانے کا کوئی دھکیل نہیں ہوتا تو انہیں ہے لیکن ممتاز قادری کے خلاف دہشت گردی کی دفعہ لگائی گئی تاکہ کپڑا مارتے ہوئے کسی تفسیر کو بھی چھوڑ کر اصل بات یہ ہے کہ ممتاز قادری پر دہشت گردی کی دفعہ لگنی چاہئے تھی یا نہیں؟ میرا موقف یہ ہے کہ قادری ممتاز قادری پر دہشت گردی کی دفعہ لگاؤ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے فساد فی الارض نہیں کیا تھا۔ یہ محض حالات اشتعال میں ایک قتل تھا، جس کے پیچھے ذاتی دشمنی تھی نہ کوئی منصوبہ تھا۔ اس کے پیچھے صرف ایک وجہ تھی کہ ممتاز قادری نے مسلمان تاجیر کو گستاخ رسول سمجھا اور گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔

● شہادت جلیب ایڈووکیٹ:

جتنے بھی نوعداری مقدمہ ہوتے ہیں ان میں ضابطہ نوعداری کے تحت جو چالان پیش کیا جاتا ہے اس کے بارے میں عدالت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دیکھے کہ چالان قانون کے مطابق ہے یا نہیں۔ جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کو جارت کرنے کے لئے شہادت ہے یا نہیں۔ اگر عدالت یہ دیکھے کہ چالان قانون کے مطابق نہیں ہے اور اس میں صحیح طور پر شہادت نہیں دی گئی ہے تو عدالت اس مقدمے کو خارج کر سکتی ہے یا دوبارہ دائر کرنے کو کہہ سکتی ہے۔ فائل اٹھا کر پھینک سکتی ہے۔

اسی طرح انسداد دہشت گردی کی عدالت اس وقت کسی مقدمے کی سماعت کر سکتی ہے کہ کسی عام فعل میں دہشت گردی کا پہلو پایا جائے۔ دہشت گردی کے فعل کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کام جس سے معاشرے میں عدم تحفظ پیدا ہو جائے، بیجان پیدا ہو جائے، خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ یہ عدالت کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ جب اس کے پاس چالان کی فائل آئے تو وہ دیکھے کہ آیا کوئی ایسی شہادت ہے جس کی بنا پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ جرم انسداد دہشت گردی کے قانون کے

سیکشن 7 کے تحت آتا ہے یا نہیں؟ اس فعل سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا ہے یا دہشت گردی؟

اس کے بعد حق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس درخواست کی سماعت کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ یہ تو قانون ہے، اس کے خلاف ہیں۔ لیکن معمول یہ ہے کہ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں آیا یا کوئی بھی چالان جاتا ہے جس پر اسے لے آئے کی سیکشن 7 کے تحت کیس پیش کیا جا رہا ہو تو وہ اس کی سماعت شروع کر دیتے ہیں۔

لال سبھ کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ احتجاج کرنے والے 450 سے 500 افراد کے خلاف اسے لے آئے 7 کے تحت چالان کاٹ دیا گیا تھا۔ میں نے یہ سنا تھا یا کیا تھا کہ اسے لے آئے 7 کو لاؤ اسٹیکر کے خلاف استعمال اور پھلت پر جانور کروایا جاتا ہے۔ یہ اسے لے آئے 7 کا جائز استعمال ہے۔ سپریم کورٹ نے اس بات کا نوٹس لیا تھا اور ریجسٹر کر دیئے تھے جس کی بدولت انسداد دہشت گردی کی عدالت سے 450 مقدمات ختم ہو گئے تھے۔

لہذا جب مسلمان تاجیر قتل کیس انسداد دہشت گردی کی عدالت میں پہنچا تھا تو یہ عدالت کی ذمہ داری تھی کہ وہ دیکھتی کہ اس شخص نے ابتدا میں ہی اعتراف کر لیا ہے کہ میں نے یہ قتل کیا ہے اور ان حالات میں اسلامی جذبے کے تحت قتل کیا ہے۔ اس کے خیال میں یہ شخص تو بین رسالت کا مرتکب تھا۔ اس لیے میں جذبات پر قابو نہیں پاسکا۔

عدالت نے یہ نہیں دیکھا کہ ممتاز قادری کے اس اقدام کے بعد ملک کی اکثریت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ لوگوں نے ممتاز قادری پر پھول برسائے، اسے ہار پہنائے گئے، مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ معاشرے میں اطمینان و سکون کی لہر دوڑ گئی اور ممتاز قادری کے حق میں نعرے لگے لہذا ممتاز قادری پر دہشت گردی کا الزام ثابت نہیں ہوتا تھا۔

عدالت کو خود چاہئے تھا کہ وہ اس مقدمے کو دائر کر دیتی کہ یہ مقدمہ انسداد دہشت گردی کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا لیکن عدالت نے اسے معمول کے مطابق مقدمے کی سماعت منظور کر لی۔

جب عدالت میں مقدمہ جاتا ہے تو یہ دیکھنے کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دستاویزات کی جانچ پڑتال کر کے دیکھتا ہے کہ کیا یہ دہشت گردی کا مقدمہ بنتا ہے یا نہیں؟ اس کے لیے کوئی شہادت مہیا کی گئی ہے یا نہیں؟ اول تو عدالت اس مقدمے کا جائزہ لے کر خود اس مقدمے کو دائر کر دیتی کہ یہ انسداد دہشت گردی کا مقدمہ نہیں بنتا۔ عدالت نے اپنی طرف سے جانچ پڑتال کی ذمہ داری پوری نہیں کی۔

اب یہ ممتاز قادری کے دکھانے کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس بات کا جائزہ لیتے کہ اس مقدمے کی اس قانون کے تحت سماعت ہو سکتی تھی یا نہیں۔ یا صرف محض الزام کے لئے انسداد دہشت گردی کے قانون کی سیکشن 7 کو لاؤ یا نہیں ہے جبکہ کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اس لئے وکیل انسداد دہشت گردی کے قانون کے 23 آئے کے تحت عدالت کو درخواست دیتا ہے کہ

۱۱۔ جسے میں الزام کے ساتھ کوئی شہادت موجود نہیں ہے لہذا یہ مقدمہ عام عدالت کو منتقل کر دیا جائے۔ پھر عدالت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ کرتی ہے۔ ان سے بھی غلطی ہوئی ہے۔ اگرچہ کہتا کہ اس جرم پر اسناد کوئی قانون لاگو ہوتا ہے تو پھر دکھائی کہ عدالت میں بھی جاسکتے تھے اور سپریم کورٹ سے بھی رجوع کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں اس نے خود کہا ہے کہ اسلامی قوانین اور اسلام کے مطابق آپ کو کوئی قانون کے تحت سزا دینا ہوں۔ جب وہ خود اعتراف کرتا ہے تو یہ مقدمہ ایسا تھا جس کے بارے میں جج کو یہ کہہ لینا چاہیے تھا کہ یہ مقدمہ اس کے اختیار سے باہر ہے۔

۱۲۔ اس بات یہ ہے کہ جس مقدمے میں کوئی شخص اپنا اعتراف کر لیتا ہے یا وضاحت کر دیتا ہے کہ اس نے کس سے کیا کیا وہ اعتراف ہی اس کے لئے سزا کے تعین کا سبب بنتا ہے۔ جیسے غیرت کا مقدمہ جس میں ماں، بیٹی، بہن یا بھائی کو قتل کرنے کے لئے قتل کیا گیا کہ اس نے ان کو قتل کیا اعراض حالت میں دیکھا تھا۔ ایسے مقدمہ میں سزائے موت نہیں دی جاتی بلکہ سزا سزائیں ہوتی ہیں۔ 7 سال 12 سال وغیرہ۔

۱۳۔ اب پاکستان میں تو جن رسالت کے مقدمے میں کسی مجرم کو سزائے موت نہیں ملی کیوں کہ بین الاقوامی دہاکے کے تحت جیسے ہے اس کو جاتی ہیں۔ تاہم نے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون کو لا قانون کیا تھا۔ اس بنا پر ممتاز قادری کو قتل کر دیا، جواز موجود تھا۔ قانون کے مطابق متذکر سزائے موت نہیں ہونی چاہیے تھی۔

۱۴۔ اب ضرورت ہے کہ ممتاز قادری کا ہائی کورٹ میں دفاع کیا جائے۔ درخواست میں دو نکات اہم ہیں کہ یہ مقدمہ عدالت گروہی کا مقدمہ نہیں تھا۔ دہشت گردی کی عدالت نے اپنے اختیار کو غلط سمجھا ہے۔ اس مقدمے میں اشتعال کے حالات ملے وہ اس لئے سزائے موت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ ریمنڈ ڈیوس کی طرح دیت کی بات کر رہے ہیں لیکن دونوں معاملات میں فرق ہے۔ ریمنڈ ڈیوس کی طرف سے دیت بھی غلط ادائیگی تھی۔ ریمنڈ نے واقعتاً دہشت گردی کا ارتکاب کیا تھا اس میں TATA کے تحت مقدمہ درج ہونا چاہیے تھا لیکن حکومت نے یہ مقدمہ نہیں لگائی۔ محض قتل کا مقدمہ درج کر کے دیت لینے کے بعد ریمنڈ ڈیوس کو معافی دے دی گئی۔ ریمنڈ ڈیوس کیس میں حکومت افغانستان دہشت گردی کی مشق 7 نہ لگانے کی مجرم ہے اور قادی ممتاز قادری کیس میں حکومت یہی مشق لگا کر مجرم ٹھہری ہے۔ اگر تاہم کے درجہ معاف بھی کر دیں تو TATA کی سزا پر قرار دے گی اس سزا کو صرف عدالت ہی ختم کر سکتی ہے۔ یہ دیت کا معاملہ نہیں ہے۔

● حبیب الوہاب الخیری ایڈووکیٹ:

ممتاز قادری نے اصولوں کو قربان نہیں کیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ ہاں میں نے یہ کام کیا ہے۔ اگر ہمارے یہاں اسلامی

قانون ہوتا تو ایسے واقعات اور فیصلے نہیں ہوتے لیکن حکمران ناموس رسالت ﷺ کا پاس نہیں رکھتے۔ قائد اعظم نے غازی علم دین کا مقدمہ لڑا تھا۔ اس وقت کی حکومت قادی علم دین کو چھٹی دینے پر تکی ہوئی تھی اسی طرح موجودہ حکومت بھی ممتاز قادری کو چھٹی دینا چاہتی ہے۔ وکیل کچھ بھی کر لیں مگر حکومت ممتاز قادری کیس میں شرارت ضرور کرے گی۔ ممتاز قادری نے یہ تسلیم کیا کہ اس نے قاتل کو قتل کیا ہے۔ یہ اس کا منظر صریح تھا اور فیصلہ اس کی روشنی میں ہونا چاہیے تھا۔ اس پر اسناد دہشت گردی کی دفعہ 7 لاگو نہیں ہوتی۔ حکومت کو یہ سوچنا ہوگا کہ وہ کب تک قانون تحفظ ناموس رسالت کی خلاف ورزی کرتی رہے گی جب تک وہ ایسا کرتی رہے گی ممتاز قادری پیدا ہوتے رہیں گے۔

● احمد اویس ایڈووکیٹ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کیس اور اس مقدمے کا باہم کوئی تعلق نہیں بنتا۔ ریمنڈ ڈیوس ایک غیر ملکی تھا جس نے دانت اور بلا جواز طور پر دو پاکستانی لوجھانوں کو قتل کیا تھا جبکہ ریمنڈ ڈیوس کو جس طرح رہا کیا گیا اس کا ذریعہ امن امریکہ اور پاکستان میں اعلیٰ سطح پر تیار کیا گیا تھا۔ اس معاملے میں جس طرح دیت کے قانون کا استعمال کیا گیا وہ غلط تھا کیوں کہ دیت کے قانون کا اطلاق طرح کو سزا ہونے سے پہلے ممکن نہ تھا اسی طرح یہ بھی عدالتوں کو دیکھنا تھا کہ دیت کے قانون کے اطلاق سے معاشرے پر مجموعی طور پر کیا اثرات مرتب ہوں گے لیکن ایسا کچھ نہ کیا گیا۔ جبکہ سلمان تاثیر کی جانب سے ایک سزایافتہ خاتون کے لیے قاتل اور قاتل قانون سے بالاتر ہو کر قاتل چا کر اسے چھڑوانے کی کوشش شروع کرنا عام مسلمانوں کے اشتعال کا سبب تھا۔ اس پر ممتاز قادری کے فطری اشتعال اور غصے کو بھی عدالت کو مد نظر رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن اب امید ہے اعلیٰ عدالتوں کی سطح پر اہلکاروں کو ضرور سامنے رکھا جائے گا اور اعلیٰ عدالت اس بارے میں دانش مندی کا ثبوت دے گی۔ اگر ممتاز قادری کی سزا پر قرار دے گی جاتی ہے تو غازی علم دین شہید کے بعد یہ دوسرا فرد ہوگا جسے عدالت فی کرم ﷺ سے محبت کی وجہ سے سزائے موت دی گی۔



جو بول دیا سو بول دیا
یہ فرض مجھ کے دم لیں گے
ممتاز ہمارا غازی ہے
آزاد کر کے دم لیں گے

غازی ممتاز حسین قادری

اسلام دہشت گردی کی ایک عدالت نے سابق گورنر پنجاب کو قتل کر دینے والے ملک ممتاز حسین قادری کو دو بار مزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانے کی سزا دی ہے اور یہ سزا دینے کے بعد عدالت کے جج میں اتنی اخلاقی جرأت اور بہت نہ توئی کہ وہ سپردے راستے عدالت سے رخصت ہوتے۔ وہ ججی دروازے سے نکل کر رخصت ہوئے اور اپنی عافیت اور سلامتی کے لیے انہیں گھر پر بھی حفاظتی انتظامات کی ضرورت محسوس ہوئی۔

عدالت کے اس فیصلے کو تمام اناس کی سطح پر بھی منعقدہ نہیں سمجھا گیا اور اس پر مسلسل احتجاج ہو رہا ہے۔ ممتاز حسین قادری نے اپنے 40 صفحات پر پھیلے ہوئے بیان میں یہ وضاحت کی ہے کہ انہوں نے گورنر کو ان کے اشتعال انگیز بیانات کی وجہ سے قتل کیا، جس میں انہوں نے قانون تحفظ ناموس رسالت کے بارے میں نامناسب کلمات ادا کیے تھے۔

ممتاز حسین قادری نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ انہوں نے 4 جنوری کی شام کو گورنر تنگ رسائی یا کرنا سے عاصی بی بی کے لیے ان کی سرعام حمایت پر بات کی تھی اور قانون تحفظ ناموس رسالت میں ان کی مجوزہ اصلاح کے معاملے پر گفتگو کی تھی۔ وہ ایک عیسائی خاتون کی حمایت کر رہے تھے جسے نومبر 2010ء میں عدالت سے سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔ گورنر غیر کا کہنا تھا کہ عیسائی خاتون کو تین رسالت کے اقلام میں غلط سزا سنائی گئی تھی۔ گورنر تاہم یہ کہنا تھا کہ عیسائی خاتون کو تین رسالت کے اقلام میں غلط سزا سنائی گئی تھی۔ گورنر عدالتی فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اس فیصلے کے خلاف سرگرم ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ سزا پہلے مرحلے میں ہوتی تھی، فیصلے کے خلاف لازمہ کا پتلا کا حق تھا۔ عدالتی احتساب کے عمل میں گورنر کی مداخلت غلط تھی۔ صوبے کے سربراہ کی حیثیت سے انہیں اس مداخلت کا حق نہیں تھا۔

گورنر نے قتل کی اصل ذمہ داری حکومت کی ہے جس نے گورنر کے بیانات اور اقدامات کا فوری گوش نہیں لیا اور انہیں عدالتی فیصلے کے خلاف اور اسے فلاح قرار دینے کے الزامات لگانے سے بھی نہیں روکا۔ اگر حکومت گورنر کے معترف بیانات کا فوری گوش لے کر انہیں روک دیتی اور ان کی شاذ حرکات کا گوش لے کر انہیں گورنر کے منصب سے ہٹا دیتا تو شاید یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ لیکن حکومت کا طرز عمل اب بھی درست نہیں ہے۔ اس کے ذمہ دار اب بھی گورنر کی غلطی تسلیم نہیں کرتے اور اس غلطی کے فکری نتیجے کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ حکومت کے اس طرز عمل کے نتیجے میں سامنے یہ ہو گا۔

ملک ممتاز حسین قادری نے اپنے چالیس صفحات پر پھیلے ہوئے بیان میں عاصی بی بی کے قتل میں گورنر کا ہاتھ دھو کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ان بیانات سے مشتعل ہو کر اس نے گورنر کو قتل کیا۔ اگر حکومت ممتاز حسین قادری کے معترف بیانات سے پہلے گورنر کے ممتاز بیانات پر کوئی فوری اقدام کر لیتی تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ ملک ممتاز حسین قادری کے بیانات قرآن کریم کی آیات کے حوالے دیے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے فرمودات بھی نقل کیے ہیں۔ چاروں طرف سے بیان کیے ہیں۔ نیز غلطی، شائع، ناگہانی، منہل اور فقہ کے اکابر کے خیالات و افکار کے حوالے پیش کیے ہیں اور کہا ہے کہ انہوں نے جب تو جن رسالت کے سلسلے میں ان شادی کی روشنی میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں تو وہ گورنر کے قتل کی ذمہ داری عدالتی فیصلے اور ممتاز حسین قادری کے بیان کا متن اگر جلد از جلد شائع کر دیا جائے تو مارے عام کو معاملے کی صحیح صورت حال سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ملک ممتاز حسین قادری کے وکیل راجہ شجاع الرحمن نے عدالتی فیصلے کو بغیر موقع قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس فیصلے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ انہوں نے کہا کہ ابھی یہ مقدمہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ عدالت کو ابھی استغاثہ کے وکلاء کے دلائل کی تصدیق کے بعد مقدمہ کو مکمل کرنا تھا۔ اس کارروائی کو مکمل کرنے بغیر وکیل صفائی کی عدم موجودگی میں قاضی جج نے اپنا فیصلہ صادر کر کے علی الصبح ممتاز قادری کو حجام یا اور خود عدالت سے چلے گئے۔

ممتاز قادری کے اہل خاندان نے عدالتی فیصلے پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ بھائی دل بڑے رحمان نے اسے اپنے گھر بی بی بی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ فیصلہ سناتے ہوئے بدحواس رہے وکلاء کو عدالت میں داخل ہونے دیا گیا اور وہ انہیں عدالت میں طلب کیا گیا۔ فیصلہ صبح سویرے سنایا گیا۔ ان کے وکلاء کو آج عدالت میں درخواست دی گئی تھی جس میں ان کے موقف اختیار کرنے والے تھے کہ ممتاز قادری پر اسلام دہشت گردی کے قانون کا ارتکاب ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس مقدمے کی سماعت عام عدالت میں ہونی چاہیے لیکن عدالت نے اس کی مہلت ہی نہیں دی۔ جن پراسرار حالات میں مقدمے کی سماعت مکمل ہوئے بغیر جس طرح وکلاء کی عدم موجودگی میں عدالت نے فیصلہ صادر کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کا فیصلہ دیے جانے کے لیے عدالت پر کوئی شے دباؤ تھا۔ اس دباؤ کا انکشاف ہونا بہت ضروری ہے۔ اسے یہ ہے کہ اگلے عدالتی مرحلے میں دباؤ کا یہ معاملہ بھی صاف ہو جائے گا۔

جوج آوازوں فیصلے کرتے ہیں اور کسی دباؤ کو خاطر میں نہیں لاتے وہ بھی فیصلہ صادر کرنے کے بعد غور و خوض نہیں ہوتے مگر جس جج نے ملک ممتاز حسین قادری کو سزا دی ہے وہ اپنے فیصلے کے نتائج سے خوب بدحواس رہا ہے۔ اگر جج کی معاصر دی پیشین گوئی ۲۵ اپریل کی ان شاعت کی یہ خبر اصل صورت بتا رہی ہے۔ اسے الٹ بی کے مطابق گورنر سلمان تاثیر کو قتل کرنے

والے ملک ممتاز حسین قادری کو سزائے موت سنانے والے جج صاحب منگل کے روز عدالت میں اپنی ڈیوٹی پر نہیں آ سکے۔ فیصلے والے دن ان کے کمرے عدالت کو ملے کر کے درہم برہم کر دیا گیا تھا اور کمرے عدالت میں بہت زیادہ توڑ پھوڑ کی گئی تھی۔ جج صاحب اپنی سلامتی جان کے لیے کسی دوسرے مقام پر تیار لے کے خواہش مند ہیں مگر ان کے لیے کوئی بھی مقام مکمل جائے سکون نہیں ہو سکتا کیونکہ ناموس رسالت پر مشتبہ والے ملک کے ہر شخص میں موجود ہیں۔ انہیں شخصہ تو ہر دن ملک کسی غیر مسلم ملک ہی میں مل سکتا ہے۔ ان کے کمرے عدالت کو تھیں انہیں تو غضب آلود و گلاہ ہی نے کیا تھا۔ ان وگلاہ سے کون سی ملکی عدالت خالی ہو سکتی ہے۔

مزار سنانے جانے کے بعد نظم کے اہل خانہ کا مبرا اور حوصلہ قابل واد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اس سزا سے مذکور کی خوف ہے اور نہ ہی ہم اس پر پشیمان ہیں۔ خوف و دہشت تو سزا پانے والے ممتاز قادری کی اہلیہ ہیں اور نہ ان کے والد۔ البتہ خوف کے سامنے سرکاری عملے کے ان ارکان پر ہمارا ہے ہیں جنہوں نے بروقت مقتول گورنر کے غلط رد عمل کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور ان کے بیانات کو محض پارٹی کے جیلے گورنر کی جرات و ہمت پر محمول کیا۔ چنانچہ مقتول گورنر کے مقدمہ عقل کے فیصلے کے بعد اعلیٰ حکومتی شخصیات کو اپنی سرگرمیاں محدود کرنے اور اعلیٰ مقامات پر جانے سے گریز کرنے کی ہدایات کر دی گئی ہیں اور ان کی سیکورٹی میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جن اہم شخصیات کی سیکورٹی بڑھائی گئی ہے ان میں گورنر پنجاب وزیر اعلیٰ پنجاب وفاقی و صوبائی وزراء قابل ذکر ہیں۔ پٹنہ پارٹی کے دیگر کئی رہنماؤں کو بھی تحفظ دیا گیا ہے۔

خود سزا پانے والے غازی ملک ممتاز حسین قادری کی کیفیت فیصلے کے اعلان کے بعد کیا تھی یہ کیفیت ان کے وگلاہ نے بتائی ہے۔ وکیل صفائی ماجد شجاع الرحمن نے کہا کہ وہ اور ان کے ساتھی طارق دھیمال ایڈووکیٹ جب ممتاز قادری سے ملنے اڈا ہل جیل پہنچے تو ملک ممتاز حسین قادری نے ہسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور پہلے سورہ کوڑی تلاوت کی اور اس کے بعد ایک نعت پڑھی۔ پھر کہا مجھے آپ لوگوں سے ایک شکایت ہے کہ آپ صفائی کے بغیر مجھے ملے کیوں چلے آئے۔ اب میں آپ سے کہوں گا کہ آپ اپنے گھر کو جائیں تو لوگوں میں صفائی تقسیم کریں کیونکہ آج اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری قربانی کو قبول کر لیا ہے۔ وگلاہ نے بتایا کہ اس موقع پر ممتاز قادری کے والد اور بھائی بھی موجود تھے۔ ممتاز قادری کے والد نے تین بار بلند آواز سے ”اللہ اکبر“ کہا اور بیٹے کو سینے سے لگالیا۔ ممتاز قادری نے والد سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”عدالت کا فیصلہ موت کی سزا کا نہیں بلکہ یہ شہادت کی خوشخبری ہے۔“



اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آنے والی اس دنیا نے غازی میں اگر کوئی سب سے قیمتی سرمایہ ہے تو وہ محبت رسول ﷺ ہی ہے۔ محبت رسول ﷺ کسی بھی مسلمان کے لیے ایسا خوبصورت اور اصول سرمایہ ہے کہ جسے فائز نہیں بلکہ ہٹا دیا جاتا ہے۔ بلور مسلمان یہ اس بات کا تقاضا بھی کرتا ہے کہ اپنے دامن میں محبت رسول عربی ﷺ کے گہرے نایاب کو سمیٹا جائے کیونکہ اللہ کے حبیب ﷺ سے محبت ایمان کی شرط اولیٰ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مال اولاد اولادین اور دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرتا ہو۔“ غازی علم دین شہید بھی انہی ستاروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے عشق رسالت ﷺ میں ایک گستاخ رسول کو جنم و اصل کر کے خود جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ مرد مجاہد اور عاشق رسول ﷺ 4 دسمبر 1908ء بروز جمعرات لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صالح محمد بڑھئی تھے، علم دین اہلی ماں کی گویں ہی تھے کہ ایک درازان کے دروازہ پر ایک فقیر نے دستک دی اور صد اگائی۔ والدہ آپ کو اٹھائے سوالی کو حب استطاعت دینے کو لگیں جب اللہ کے اس بندے کی نظر آپ پر پڑی تو کہا ”میرا یہ بیٹا بڑے نصیب والا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر بڑا احسان کیا ہے تم اس کو نیز کبڑے پہنایا کرو۔“

بڑے ہوئے تو آپ کو کھڑکی مسجد میں داخل کر دیا گیا غازی علم دین تعلیمی سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکے تو والد کے ساتھ کام پر جانے لگے۔ زندگی کے شب و روز بلی خوشی بسر ہوئے رہے جب جوان ہوئے تو ماموں کی بیٹی سے منگنی کر دی گئی۔ انہی دنوں ایک ہندو پبلشر راجپال نے حضور اقدس ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے ناقابل برداشت خیالات پر پٹی کتاب شائع کی۔ اس کتاب کی اشاعت پر ہندوستان بھر کے مسلمان آگ بگولہ تھے۔ مسلمان جبکہ جگہ احتجاج کرنے لگے تھے اخبارات و خبروں سے بھر پور تھے۔

غازی علم دین شہید نے اپنے بڑے بھائی شیخ محمد دین کے ساتھ ایک جلسہ میں جو جوان معز کو سنا جو راجپال اور اس کی کتاب کا انکار کرتے ہوئے انہیں بے اثر کر دیا تھا۔ تقریر نے علم دین شہید کے قلب و دماغ میں اکیل چھائی۔ ان الفاظ کی کوخ

لیے وہ گھر پہنچے اور کتاب رسول کو نقل کرنے کا عہد کیا۔ انارکلی سے ایک چھری خریدی اور اسے خوب تیز کروا کر عشرت بلشبک ہاؤس کے سامنے واقع راجپال کے دفتر پہنچے بد بخت راجپال کو دیکھتے ہی علم دین کی آنکھوں میں خون اتر آیا راجپال کی حفاظت کے لیے حکومت نے پولیس تعینات کر رکھی تھی لیکن اس وقت پولیس اہلکار حفاظت کے لیے ابھی نہیں پہنچے تھے۔ ملعون راجپال اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پولیس کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے فون کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ غازی علم دین دفتر میں داخل ہو گئے۔ اس وقت راجپال کے دو ملازم کیدار ناتھ اور بھکت رام بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن ان کی موجودگی علم دین کے جذبہ کے آگے بے دم ہو گئی۔ غازی علم دین نے چھری کے پے دوڑے وار کرتے ہوئے بد بخت راجپال کو جہنم داخل کر دیا، بعد میں علم دین کو گرفتار کر لیا گیا اور دفعہ 302 کے تحت مقدمہ درج کیا گیا۔

22 مئی 1929 کو سینیٹ جج لاہور نے علم دین کو سزائے موت کا حکم سنایا 15 جولائی کو غازی علم دین کو سنانی جانے والی سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ اس اپیل کی سماعت چٹس برادوے اور چٹس جاسن نے کی۔ 17 جولائی کو یہ اپیل خارج کر دی گئی۔ اس کے خلاف پریویو نٹسل میں کوشش کی گئی جو 15 اکتوبر 1929 کو خارج ہو گئی اور عاشق رسول غازی علم دین کی سزائے موت بحال رہی۔

مسلمانوں نے ہائی کورٹ میں علم دین کے مقدمہ کی بھڑکی کے لیے قائد اعظم کی خدمات بھی حاصل کیں۔ ماہرین قانون کا خیال تھا کہ غازی علم دین اپنے جرم سے انکار کر دیں تو مقدمہ کمزور اور قابلِ بدعت ہو سکتا ہے۔ علم دین شہید نے کسی بھی ایسی جوہر پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

اس سلسلہ میں ایک وفد نے علامہ محمد اقبال سے رابطہ کیا اور درخواست کی کہ علم دین شہید کو قبل جرم سے انحراف کی ترغیب دیں مگر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے روتے روتے یہ تار بخی جملہ کہا جو آج بھی عاشقان رسول ﷺ کے کانوں میں گونج رہا ہے کہ ”ای گاں ای کروے رہ گئے تے بازی ترکانِ داچرے کیا“ مزید فرمایا کہ وہ علم دین شہید کو اس عظیم اعزاز سے محروم کرنے کا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں۔

اقبال خارج ہونے پر مسلمانوں میں سخت اشتعال پھیل گیا اور لاہور میں فساد کے خطرے کے پیش نظر 3 اکتوبر 1929 کو غازی علم دین کو بذریعہ ریل گاڑی میانوالی روانہ کیا گیا۔ میانوالی ٹیبل میں موجود عملہ اور قیدی غازی علم دین کو قدرتی لکھ سے دیکھتے تھے۔

آپ کی گھرائی پر مقرر خواب دین سپاہی کا کہنا ہے کہ ”مونا چاچی پانے والے قیدیوں کا ذہن کم ہوتا ہے اور اگر تے ذہیلے ہو جاتے ہیں مگر غازی علم دین کا ذہن بڑھ گیا تھا اور کرتے تک ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاتھوں سے اور

کی شہائیں بھی پھونکی ہوئی نظر آئیں“

غازی علم دین نے پریویو ٹیبل کو جسے گھومنا تھا ان کے ہاتھوں کو پابندی کی تھکن کی مزار کی تیاری کے متعلق اور اپنے لباس اور گھرا شہادہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

31 اکتوبر 1929 کا دن امت مسلمہ کے لیے جاری اور عظیم ترین غازی علم دین کے لیے انتہائی خوشی و شادمانی کا دن تھا کیونکہ اس دن حرمت رسول ﷺ پر ان کے دلے والے غازی علم دین بارگاہ رسالت تاب ﷺ میں پہنچے والے تھے۔

مجموعیہ نے کہا تیار ہو جاؤ، وہ گزری آگئی جس کا نہیں انکار تھا۔ یہ خوشخبری سن کر غازی علم دین نے جواب کہا کہ میں خوشی سے تیار ہوں۔ آپ کے ہاتھ بلال رضی اللہ عنہ سے پکٹتے چرے کو دیکھ کر مجموعیہ حیران رہ گیا۔ مجموعیہ نے پوچھا کوئی حرمت کوئی آرزو کوئی امت ﷺ آپ سب نے اور کہ دو رکعت نفل بطور شکر ادا کرنے کی خواہش ہے۔ آپ نے جلدی جلدی نفل ادا کیے تاکہ موجود لوگ یہ خیال کریں کہ غازی علم دین دیر چائے میں تاخیر کے لیے کرب رہے ہیں۔ پھر تیز قدم اٹھاتے تھے اور کی جانب چلے گئے۔ وہ علم کے سلام کے جواب میں انہیں ”اللہ حافظ“ کہا تو ٹیبل کا سارا آواز اٹھ اٹھا رسالت ”یا رسول اللہ“ کے ٹکک پس منہوں سے گونج اٹھا۔

غازی علم دین نے کلمہ شہادت بلند آواز میں پڑھا اور پھندے کو بوسہ دیا، پھر پاؤں کے پیچے سے تختہ کھینچ دیا گیا۔ چند لمحوں میں آپ کی روح فطرسِ عظمیٰ سے پرواز کرتے ہوئے رب کریم کے پیارے حبیب ﷺ کے قدموں میں پہنچ گئی۔

غازی علم دین شہید نے وصیت فرمائی تھی کہ انہیں میانی صاحب لاہور میں دفن کیا جائے مگر انگریز حکومت کا خیال تھا کہ میت لاہور بھیجی گئی تو ہندو مسلم فساد ہو جائے گا جسے روکنا مشکل ہوگا۔ ان خدشات کے پیش نظر گورنر نے ہدایت جاری کی کہ غازی علم دین کو میانوالی ہی کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

غازی علم دین شہید کو میانوالی میں دفنانے جانے پر مسلمانوں میں غم و غصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔ قریب تھا کہ بڑا فساد کھڑا ہو جاتا۔ وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ”مولا غلام محی الدین قصوری“ میاں عبدالغنی اور دیگر اصحاب نے گورنر سے ملاقات کرتے ہوئے میت کی حاکم اور لاہور میں دفن کرنے کا مطالبہ پیش کیا۔

13 نومبر 1929 کو غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت قبر کشائی کروا کر ٹھکانی گئی جو ای طرح خوشبوؤں سے معطر اور تروتازہ تھی۔ جب مبارک کے لیے تابوت سید مراتب علی ملے نے اپنی گھرائی میں جا کر دیا۔ شہید کا جب مبارک ہڈیہ زمین میں ڈالی گئی تو اڑھائی کے لڑکے پیش پر نظر پڑا جسے ماز سے پہنچا بچے ہٹا۔ جسے ٹیبل حکام نے علامہ محمد اقبال

اور سر محمد شفیع وغیرہ کے سپرد کر دیا۔

14 نومبر کو تقریباً ساڑھے دس بجے قادی محمد شمس الدین خلیفہ مسجد وزیر خان نے نماز چٹاؤ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ اسے غازی علم دین شہید ام آپ کی قسمت اور عظمت کو امام بخش کرتے ہیں۔

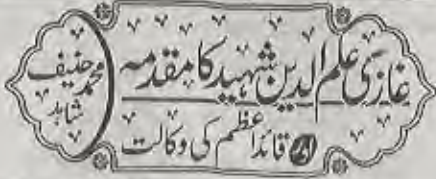
یہ امر قابل غور ہے کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے اپنی جانوں کا بڑا رشہ پیش کرنے کو اپنے لیے باعث اعزاز اور زندگی کا اصل حاصل سمجھتے ہیں جبکہ دوسری طرف وہار باب اختیار ہیں جو تحفظ ناموس رسالت کا قانون ختم کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

131 اکتوبر 1928ء کو غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تحفظ ناموس رسالت کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا اور ہمیشہ کے لیے امیر ہو گئے۔

ہم اس ناظر میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ 30 ستمبر کا دن "ایوم عظیم مصطفیٰ ﷺ" کے طور پر اور 131 اکتوبر کا دن "ایوم تحفظ ناموس رسالت ﷺ" کے طور پر سرکاری سطح پر پھر پورا عاز میں منایا جائے۔



ہر عاشق رسول کا دلدار قادری
عہد رواں کا قول اور اقرار قادری
صدیوں میں نور جائے گا اس شیر مرد کا
جو روکتا ہے اک بار نام لینے سے
جب تک نہ غازی باہر ہوا ڈیالہ جیل سے
ہم توڑ دیں گے جیل کی دیوار آپ ہی
ہم کہہ رہے ہیں حاکم! خوب جان لو
جس دن سے وہ گستاخ پر تلواریں بنا ہے
آب بن گیا ہے عشق کا معیار قادری
قلم رضا سے پیکر کردار قادری
آب بن گیا ہے عشق کا معیار قادری
ہم کہہ رہے ہیں برٹلا لاکھ بار قادری
تو ہونا چاہیے اپنا بھی گھر ہار قادری
آب بن گیا ہے جذبوں کا سالار قادری
آب ہر گلی میں دیکھو گئے تیار قادری
اُس دن سے بن گیا ہے میرا دندار قادری
مژدہ اکثر نفس معصہ اشرف اسف جلد اس کے



تحریک خلافت کے بعد ہندو مسلم اتحاد کا مصنوعی باب جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا اور ہندوؤں نے تحریک کے ختم ہونے ہی اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس سلسلے میں ہندو مساجد اور آریہ سماجیوں نے مسلمانوں کے مذہب، تمدن اور سیاسی تاریخی کوارج کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

آریہ سماجیوں کی سرگرمیوں کے مرکز دہلی کے پورے ہندوستان میں موجود تھے لیکن لاہور ان کی سرگرمیوں کا خاص مرکز تھا۔ اس لیے 1923ء میں لاہور کے ایک پبلشر راج پال نے پروفیسر جھانگی کی کتاب شائع کی جس میں حضور اکرم ﷺ کی ذات القدس پر ناروا حملے کیے گئے تھے۔ اس کتاب کے چھپنے ہی مسلمانوں میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔

چنانچہ اس کتاب کے پبلشر راج پال پر فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ چلا۔ ماتحت عدالت نے مقدمہ کی سماعت کے بعد غلام کو دو سال قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی لیکن عدالت کے چیف جسٹس سر شادی لعل نے جو مسلمانوں کے لیے اپنے رواجی تعصب کے باعث بہت مشہور تھا راج پال کو بری کر دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور 27 ستمبر 1927ء کو ایک مسلمان خدا بخش نے راج پال پر حملہ کیا لیکن قسمت نے اس کا ساتھ دیا اور وہ موت کے نہ میں جانے سے بچ گیا۔

اس کے بعد لاہور کے سریاں والا بازار کے معلم الدین نے راج پال پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غازی علم الدین کو گرفتار کر کے اس پر سیشن عدالت میں مقدمہ چلا جہاں اسے سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ سیشن عدالت کے اس فیصلے کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل دائر کی گئی جس کی جلدی کے لیے قائد اعظم محمد علی جناح کو سیشن سے لاہور بلوایا گیا۔ اس سلسلے میں قائد اعظم نے عدالت عالیہ کو تادیب کا 15 جولائی کو مقدمہ کی سماعت کے لیے تاریخ مقرر کی جانے۔

یہاں یہ امر دلچسپی سے غائی نہیں کہ پنجاب کے مشہور جاسوسی رہنما اور وکیل سر محمد شفیع نے اس مقدمہ کی جلدی کرنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ وہ اسے برا سمجھیں گے۔

چونکہ ایک ہائی کورٹ کا وکیل دوسرے ہائی کورٹ میں پرنکس نہیں کر سکتا تھا اس لیے جینی ہائی کورٹ کے

کے چہرے کے ایک نشان کو دیکھ کر پہچاننا ہے۔ ظاہر ہے کہ پولیس نے اسے یہ نشان بتا دیا ہوگا جس کی ہٹا پر اس نے ملازم کو شناخت کر لیا۔ (2) گواہ آقا رام کا دعویٰ تھا کہ وہ چاقو کو پہچان سکتا ہے لیکن جب چاقو اس کے رویہ و خوش کیسے لگے تو پہچان نہ سکا۔

گواہ آقا قرام کہادی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی نظر کمزور ہے۔ لہذا ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آقا قرام کھٹا پڑھا تھا یا گواہ ہے۔ اس استدلال کے کچھ تین مہانی تھے اول یعنی گواہ دوم غلام کو گرفتار کرنے یا کرانے واسطے سوم چاقو فروخت کرنے والا کہلایا۔ ان مہانی کو انتہائی کمزور ثابت کرنے کے ساتھ ہی استدلال کو بھی عملی جناح نے بالکل بے حقیقت کر دیا۔

اس کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے اس امر پر بھی سیر حاصل بحث کی کہ اگر مسلم دین قائل نہیں تھا تو اس کے کپڑوں پر انسانی خون کے دھبے کی طرح لگے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر کا یہ بیان پیش کیا کہ متقول کا خون فوراً کی طرح نہیں اچھلا اور جب حالت یہ ہے تو میان کردہ قائل کے جسم پر وہ نہیں پڑ سکتے۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا کہ بیان کردہ قائل کے کپڑے متقول کی لاش سے چھوئے ہوں گے۔ قائد اعظم نے کہا کہ ڈاکٹر کی شہادت کا حصہ باطل القہر ہے۔ اسے رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ سیشن جج اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ملزم کے کپڑے متقول کی لاش سے چھوئے نہیں لیکن کہتا ہے کہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق یہ خون انسانی ہے اس لیے متقول کا خون ہے اور چھری سے ٹپک کر ملزم کے کپڑوں پر گر رہا ہے۔ قائد اعظم نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جس خون کے دھبے ملزم کے کپڑوں پر ہیں وہ واقعی متقول کا خون ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ خود ملزم کا خون ہے۔ ملزم کا بیان کہ اسے کپڑے گر کر تار کرنے کے بعد ہندوؤں نے مارا چڑھا اور اس مار پیٹ سے اس کی انگلی اور دائر ان پر زخم آئے۔

قائد اعظم نے ایک اہم بات یہ کہی کہ بیشن جج نے مسلم ایسروں کی رائے کے سلسلے میں خواہ مخواہ ہندو مسلم سوال پیدا کیا۔ اس مقدمے میں چار ایسیر (بج) تھے۔ دو مسلمان اور دو غیر مسلم۔ مسلمان ایسروں نے طرم کو بے گناہ قرار دیا، غیر مسلم ایسروں نے جرم کا ثبوت کیا۔ بیشن جج نے لکھا ہے کہ مسلمان ایسروں کے فیصلے پر یقین نہیں کیا جاسکتا اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں فرقہ دارانہ تعصب موجود ہو۔ قائد اعظم نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمان ایسروں کے متعلق یہ کیوں کہا گیا دوسرے ایسروں کے متعلق کیوں نہیں کہا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں مسلمان ایسروں کے فیصلے بالکل ایماندارانہ ہوں۔ ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ وجہ بتلائیں کہ وہ گناہگار نہیں ہیں۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ بجج نے مسلمان ایسروں کے متعلق تعصب کا اظہار کیا۔ طرم کے حق میں جہاں ثبوت قطعی بیشن جج نے اسے ناقابل قبول قرار دیا۔

مسٹر جناح نے جب بھخاب ہائی کورٹ سے علم الدین کے مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت مانگی تو بھخاب ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس براؤ نے اجازت دینے کی مخالفت کی لیکن چیف جسٹس سر سدا دی لٹل نے قائد اعظم کو پیش ہونے کی اجازت دے دی۔ روزنامہ انقلاب (لاہور) نے چیف جسٹس کے اس فیصلے کو ان کا ہوش منداً نقل قرار دیا اور لکھا کہ اگر وہ مسٹر محمد علی جناح کو مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت نہ دیتے تو مسلمانوں میں بے حد جوش پھیل جاتا۔

15 جولائی 1929ء کو جنس برادری اور جنس جاسنس کے دویروہ مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے مقدمہ کے واقعات کو سامنے رکھ کر اجماعی قابلیت کے ساتھ غازی علیہ السلام کی ممانعت کا ثبوت کی۔ سب سے پہلے قائد اعظم نے بیٹی گواہوں کے بیانات پر جرح کی۔ قائد اعظم نے عدالت کو بتایا کہ بیٹی گواہ کدو ناتھ مقتول کا ملازم ہے اس لیے اس کی گواہی نامطلوبہ اور غور کے بعد قبول کرنی چاہیے۔ دوسرے کدو ناتھ نے اپنے ابتدائی بیان میں بھگت رام گواہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ بھی مقتول کی دکان کے ہی ایک حصے میں کام کر رہا تھا اور کدو ناتھ کی طرح بھگت رام نے بھی بیان کر دیا تھا غازی علیہ السلام میں پرستشیں اور سام کا تعاقب کیا۔

گدار ہاتھ نے ابتدائی بیان میں عزم کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس نے گرفتاری کے بعد اقبال جرم کیا۔ عدالت پیشین میں وہ بیان دیتا ہے کہ عزم نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی عزت کا بدلہ لیا ہے۔ ان حقائق سے قلماء عظم نے یہ ثابت کیا کہ جتنی گواہ نمبر 2 گدار ہاتھ چھوٹا ہے۔

اسی طرح قائد اعظم نے دوسرے بھی گواہ بھجی مکتی رام کی شہادت کو لے کر اس کی کٹرزیاں واضح کیں۔ اس کے بعد انہوں نے وزیر چٹرا ناک چٹرا اور پرمانند ٹھیکرہ کے بیانات پر تفتادہ بحث کر کے ثابت کیا کہ کیا ان کی بیان بھی اصلہ قابل اعتبار نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص بیان وضع کر کے مختلف آدمیوں کو ملے کی طرح رٹا دیا گیا۔

تاکہ اہم مقام نے اپنی تہجرج سے سب سے اہم کتبہ یہ نکالا کہ عام بہانات کے مطابق واقعہ کے وقت مشغول کو آٹھ دھم گئے یعنی اعداد و انیس سال کے ایک معمولی بوجھان نے دن و سہارا تین مرتبوں میں گھس کر ایک شخص کے جسم میں آٹھ دفعہ بھری گھونٹی اور تالی اور تین آدمی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس کو عقل انسانی صحیح سمجھ نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد صبرِ محض علی جناح نے آقا رام کھاری کی شہادت پر جرح کی اور اس کی شہادت کا تار پود بھیج دیا اور اس کے خلاف بھی دلائل قائم کیے۔ (۹) پہلی بات آپ نے یہ ثابت کی کہ کوئی دکاندار اتنا بڑا ایک نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہر گاہک کو یاد رکھے جسے کہ اس کی دکان پر صرف ایک ہی مہر آتا ہو۔ اس آواز کی یہ طرز کو شہادت پر ایک کے دوران بطور

اس کے خلاف جو شہادت تھی اسے درست سمجھا۔ اس پر جسٹس براؤ نے کہا کہ جج کو اختیار ہے کہ وہ جس شہادت کو چاہے قبول کرے جس کو چاہے مسترد کرے۔ قائد اعظم نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے مگر قبول و عدم قبول کے لیے دلیل بھی ہونی چاہیے۔

علم الدین کو یہ گناہ ثابت کرنے کے بعد قائد اعظم نے مقدمے کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی اور کہا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ملزم واقعی قاتل ہے تو بھی اس کی مزاحمت نہیں بلکہ عمر قید ہونی چاہیے۔ اس کے لیے قائد اعظم نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے۔

(۱) ملزم کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے۔

(۲) راج پال نے ایسی کتاب چھاپی جسے عدالت نے بھی نفاذ انگیز اور شرانگیز قرار دیا۔ ملزم نے اسے پڑھا اور بھڑک اٹھا۔

(۳) ملزم نے کسی انوار ذیل خواہش سے یہ ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایک کتاب سے غیرت کھا کر ایسا کیا۔

قائد اعظم محمل جٹا جٹا نے عدالت عالیہ کے سامنے مندرجہ ذیل تقریر کی جس میں عدالت عالیہ نے درخواست کی کہ وہ ملزم کو بری کر دے۔ قائد اعظم نے فرمایا: ”سب سے پہلے میں اس پولیس افسر کی شہادت کی طرف عدالت عالیہ کی توجہ مبذول کرنا تاہوں جس نے بیان کیا کہ ہم ملزم سے یہ اطلاع پاتے ہی کہ میں نے آتما رام کاڑی سے یہ چھری خریدی ہے فوراً اس کی دکان پر پہنچے۔ پولیس نے بذات خود کوئی تحقیق نہیں کی اور صرف ملزم کے بیان پر اکتفا کیا۔ لیکن دفعہ 27 قانون شہادت کی رو سے ملزم کا بیان بطور شہادت پیش نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جج صاحبان اس کا فیصلہ صادر کریں۔“

مسٹر جسٹس براؤ نے کہا کہ شہادت کے قابل قبول یا ناقابل قبول ہونے کے سوال کا فیصلہ کرنا عدالت ماتحت کا کام ہے۔ قائد اعظم نے کہا کہ آپ اس نقطے پر اب نہیں تو آخر میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے قائد اعظم نے کہا: ”اب غور طلب امر یہ ہے کہ ملزم کو اس مقدمہ میں ماخوذ کرنے کی کافی وجہ ہیں یا نہیں۔ ۱۸ اپریل کو راج پال قتل کیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ جس نے راج پال کو قتل کیا وہ کون تھا؟ ۱۹ استغاثہ کی شہادتوں میں دو جینی گواہوں کے بیانات ہیں یہ دونوں گواہ کدرا ناتھ اور بھگت رام ہیں۔ ان جینی گواہوں کے قابل اعتماد ہونے کو پرکھنے کے لیے میں فاضل جج کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں گواہ راج پال کے ملازم تھے۔ ان شہادتوں کے پرکھنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان

بیانات کے اختلافات کو دیکھا جائے۔“

قائد اعظم نے کدرا ناتھ کا بیان پڑھ کر سنا یا اور کہا کہ سخت تعجب کی بات ہے کہ اس بیان میں گواہ بھگت رام کا نام نہیں نام تک نہیں آیا حالانکہ وہ اس وقت دکان پر موجود تھا۔ برخلاف اس کے گواہ بھگت رام کا کہنا ہے کہ اس نے ملزم کا تعاقب کیا اور کدرا ناتھ کے ساتھ مل کر ملزم پر کٹائیں بھیجیں۔ جرح کے موقع پر بھی کدرا ناتھ کو بھگت رام کا نام سب سے پہلے لینا چاہیے تھا۔ یہ ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے اور جینی شہادت کا جزو اعظم ہے۔

کدرا ناتھ نے ارتکاب جرم کا جس قدر وقت بتلایا ہے اسی شہادت اس کی تردید کرتی ہے۔ جینی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گواہ کے بیان کے وقت سے دو چند وقت صرف ہوا۔

قائد اعظم نے فرمایا کہ گواہ کا بیان ہے کہ جب ملزم کو پکڑا گیا تو اس نے کہا میں نے کوئی چوری نہیں کی یا اور کہ نہیں مارا۔ میں نے صرف اپنے تجزیہ سے بدلہ لیا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ملزم بھگت رام تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا گیا لیکن کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص گرفتار ہوتے ہی فوراً اس طرح اقبال جرم کرے؟ یہ شہادت بھی جیش کی گئی ہے کہ وہ متواتر اقبال جرم کرنا نہ پا۔ پولیس کا ایسے موقع پر فرض تھا کہ وہ مجسٹریٹ کے روپر ملزم کے بیانات غلط بتا کر قاتل ایسا نہیں کیا گیا۔ ہر ایک تجربہ کار پولیس افسر کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ملزم نے راج پال کی دکان پر آکر بھی اقبال جرم کیا۔ ایسا غیر ممکن ہے۔ وہاں پولیس موجود تھی۔ یہ سب کہانی اس قدر غیر قدرتی ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔

قائد اعظم نے کہا کہ یہ سب کہانی غلط ہے۔ گواہ نے نہ صرف بھگت رام کا نام ہی ترک کر دیا ہے بلکہ دوسرے گواہ بھی چھوڑ دیا حالانکہ دوسرے چھ ملزم کا چھپا کیا تھا۔ جرح پر گواہ نے کہا کہ میں دوسرے چھ کے نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔ میں اس شہادت پر صرف یہی کہوں گا کہ گواہ جج کو بتا تو وہ بھگت رام کا نام ضرور لیتا۔ اس کے علاوہ وہ پولیس کے سامنے بھی وہ الفاظ بتا جو اس نے بعد میں ملزم کی طرف منسوب کیے لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس لیے یہ کہانی فرضی ہے۔

دو جان دوسرے چھ کی شہادت پڑھ کر سناتے ہوئے قائد اعظم نے کہا کہ آیا فاضل جج صاحبان اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ کدرا ناتھ دوسرے چھ کو نہیں جانتا تھا اگر اسے نام نہیں آتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا۔ اس کے بعد گواہ بھگت رام بھی ایسی کہانی سنا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ملزم کی بیٹی اس کی طرف تھی ظاہر ہے کہ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ ہر ایک گواہ ان الفاظ کے متعلق جو ملزم نے کہے مختلف بیانات دیتا ہے۔ چنانچہ بھگت رام نے کہا کہ ملزم نے کہا تھا کہ ”

تاکہ چند گواہ کا بیان ہے کہ ملزم نے کہا تھا کہ ”راج پال میرا دشمن نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کا دشمن ہے“۔ گواہ سچا بندہ نے کم و بیش وہی الفاظ کہے جو ناک چند نے کہے۔ لیکن گواہ دو بار تنہا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ملزم کو گرفتار کیا بالکل مختلف الفاظ بیان کرتا ہے۔ مسز جنٹل براڈوے گواہ نے پہلے کہا کہ یہ ملزم کے صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتا مگر اس کا شخص بتا سکتا ہوں۔

میں صاف کہہ دیتا چاہتا ہوں کہ اتھارام کھاڑی ایک سکھ یا ہوا گواہ ہے اسے اسی روز معلوم ہو گیا تھا کہ راج پال مارا گیا ہے پھر شہادت پر یہ ہوئی جس میں تین مرتبہ گھونسنے کے بعد اس نے ملزم کو شہادت کیا۔ اس گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم کی ناک کے قریب ایک نشان ہے۔ کیا چھری بیچنے والا اس قدر باریک بین ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ خریداری ناک کے پاس نشان بھی ہے؟ گواہ کا اپنا بیان ہے کہ ملزم کے کان میں دھاکہ پڑا ہوا تھا حالانکہ اس کی بینائی بھی اچھی نہیں۔

اس گواہ کا بیان ہے کہ میں فروخت کی ہوئی چھریوں کو بیچان سکتا ہوں لیکن بعد ازاں اس نے غلط چھری کو شہادت کیا۔ چھریاں عدالت میں پیش کی گئیں۔ قائد اعظم نے لٹوئی نوک والی چھری کی طرف سچ صاحبان کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود ان چھریوں کو دیکھ کر بتائیں کہ ان میں کیا تیز ہو سکتی ہے کہ اتھارام بتلانے کے وقت کیسے اس قابل ہو گیا کہ وہ بتا سکے کہ یہ فلاں چھری ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ میں نے اتھارام کھاڑی کی دکان سے چھری نہیں خریدی۔

قائد اعظم نے فرمایا کہ سب ایسٹری کی شہادت ہے کہ ملزم کی شہادتیں پر خون کے نشانات تھے۔ ملزم کے دیگر حصوں پر بھی معمولی نشانات تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو بھی ضربات آئیں۔ ملزم کا بیان ہے کہ میرے ساتھ تشدد کیا گیا تھا۔ استثناء نے کہیں بھی یقینی طور پر بیان نہیں کیا کہ ملزم کے کپڑوں پر خون کے جو نشانات تھے وہ اسی آئل کی وجہ سے تھے۔ یہی شہادت ہے کہ یہ نشانات شاید متحول کے قریب آنے سے لگ گئے۔ یہ امر واضح ہے کہ ملزم متحول کے نزدیک نہیں آیا۔ اس میں شک نہیں کہ خون کے نشانات کسی انسان کے خون کے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ متحول کے خون کے نشانات ہیں۔ اگر میری اگلی دہی ہو جائے تو اس کے اندر سے بھی کافی خون نکل آتا ہے جس سے میرے کپڑوں پر بڑے بڑے نشانات لگ سکتے ہیں۔

اس کے بعد قائد اعظم نے کہا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ قاضی جج نے یہ فیصلہ کرنے میں غلطی کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ دو ہندو ایسیر (سچ) ملزم کو مجرم بتاتے ہیں لیکن دو مسلمان ایسیر اسے بے قصور ٹھہراتے ہیں۔ اگر اس وقت ہندو مسلم فرقوں میں کشیدگی تھی تو قاضی جج کا فرض تھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرتا۔ اس کا کیا جوت ہے کہ ہندو ایسیروں کی رائے

فرقہ پرست نہیں تھی؟ اس کے علاوہ قاضی جج نے شہادتوں سے بھی غلط نتیجہ منسحب کیا۔ آخر میں قائد اعظم نے کہا کہ ملزم کو جان ہے۔ راج پال نے بدنامی سب شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا تھا اس لیے سزائے موت سخت سزا ہے۔ ملزم پر یہ کیا جاتا ہے۔ جج کے بعد عدالت نے سرکاری وکیل کا جواب سننے بغیر حاضرین کو باہر نکال دیا اور فیصلہ محفوظ رکھا۔ سرکاری وکیل کی جمالی تقریر کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔ اپیل خارج کر دی گئی۔ چار بجے کے قریب عدالت نے فیصلہ پایا اور اپیل منظور کر دی۔

یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب عدالت عالیہ نے قاضی علم دین ککس میں سیشن کے فیصلہ کو برقرار رکھا اور قاضی علم دین کی سزائے موت برقرار رکھی تو ہندو اذہات نے مسز محمد علی جناح کے خلاف زبردست دہراٹھنا شروع کر دیا۔ مشہور محاسب ہندو اخبار ”پرتاپ“ نے اس مسئلہ پر کئی لوٹ لکھے۔ ”کمپ شپ“ اور ”چلنٹ“ کے نام سے دو کام چھپتے تھے ان میں قائد اعظم کو رگیدا گیا۔ ایک جگہ لکھا کہ ”مسز محمد علی جناح کی قابلیت علم دین کو موت کے منہ سے نہ چھڑا سکی“۔ ایک جگہ لکھا کہ مسز محمد علی جناح کو ایسا مطلقاً کمزور مقدمہ لپٹا ہی نہیں چاہیے تھا کیونکہ ہندوؤں کو ان کے خلاف ناوا جب شکایات پیدا ہوئی ہیں“۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے جس قابلیت سے مقدمہ کی پیروی کی اس پر روزنامہ انجمنیت دہلی نے اپنی اشاعت مورخہ 20 جولائی 1929ء کو ”مسز جناح کی باطل حق تقریر“ کے زیر عنوان انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا۔ ”لاہور ہائی کورٹ سے بھی میاں علم الدین کی اپیل کا فیصلہ صادر ہو گیا اور پچاسی کا جو حکم سیشن عدالت سے ہوا تھا وہی بحال رہا۔ قائد اعظم کی دلیل اور مؤثر تقریر کو پڑھنے کے بعد اس کا اعزاز لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے دلائل کس قدر روزنی تھے اور انہوں نے ماتحت عدالت کی شہادتوں میں جن نقائص کا ذکر کیا تھا ان سے مقدمہ کس درجہ کمزور ہو گیا تھا کہ ہائی کورٹ کے ججوں نے خدا معلوم ان کو جو دی بنا پر ان کے دلائل کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ اس وقت ہائی کورٹ کا فیصلہ موجود نہیں ہے اس لیے ہم اس پر متصل تنقید نہیں کریں گے۔ جب تک ہمارے سامنے اصل فیصلہ کے دلائل نہ آجائیں ہم یہ نہیں سمجھتے کہ قائد اعظم کی تقریر کے بعد پچاسی کی سزاسی طرح بحال رہ سکتی تھی“۔



کی محو سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چڑ ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

امریکہ میں آنیاں جانیاں

پاکستان سے دینی پیشواؤں، علماء، کارکنوں، بیروں کی آنے روز امریکہ "آنیاں جانیاں" نوکیر کرجانی و پریشانی ہوتی ہے۔ حیرانی اس بات پر کہ اس ملک میں وہی داخل ہو سکتا ہے جو امریکہ کی "مکڈونلڈ" میں ہو اور پریشانی اس بات کی ہے کہ پاکستانی کمرہ دار کی دلدل میں دھنسا چلا جا رہا ہے اور یہ لوگ امریکہ کے مسلمانوں کو ٹیکہ بنانے چلے آتے ہیں۔

پاکستانی شہری جو اور وہ بھی مذہبی ہیں مگر رکھتا ہوا ہے آسانی امریکہ کا ویزہ مل جاتے؟ حیرانی و پریشانی توشیش میں بدل جاتی ہے۔ کسی مذہبی جماعت سے وابستہ پیشوا کو امریکہ کا ویزہ ملے تو کچھ جاؤ کہ امریکہ اس شخص پر مہربان ہے وگرنہ امریکیوں کا مسلمانوں کے ساتھ "خدا واسطے کا ویزہ" ہے۔

تبلیغ کے لئے امریکہ تعریف لانے والے مبلغین اور دینی پیشواؤں سے یہاں کے لوگ پوچھتے ہیں کہ "کیا تمہارے پاکستان کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں؟ اسلام کی زیادہ پاکستان میں ضرورت ہے۔ امریکہ کے مسلمان بہت بہتر ہیں یہاں منافقین کی تعداد کم ہے امریکہ آنیاں جانیاں کرنے والے مذہب کے ٹھیکیدار پہلے اپنے ملک کے لوگوں کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔

امریکہ کو مذہبی طبقات سے تحفظات ہیں اس کے باوجود ایسے لوگوں کو ویزہ مل جاتا کہ سوالات کو جہنم دیتا ہے۔ جو پاکستانیوں کو اچھا نہ بنا سکے وہ امریکہ کے مسلمانوں کو اچھا بنانے چلے آتے ہیں۔ پاکستان کے لوگ امریکہ میں پاکستانی کیونٹی کو امریکہ کے قوانین کا احترام کرنے اور امریکی نظام کا حصہ بننے کا درس دیتے ہیں۔

امریکہ کے مسلمان جس صبر تحمل اور حکمت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ پاکستان میں آگ اور خون کی ہولی کھلی جا رہی ہے مگر اپنے ملک و قوم کی حالت درست کرنے کی بجائے امریکہ کے پیچھے لگائے جاتے ہیں۔

امریکہ کی اسلام دشمن کاروائیاں عیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ ایک امریکی کھیتی نے فحشی اوقات کے دوران نماز پڑھنے پر 34 ملازمین کو نوکری سے فارغ کر دیا۔ بیشتر ملازمین تین سال سے اس کھیتی میں ملازمت کر رہے تھے۔ کھیتی نے الزام عائد کیا کہ ملازمین کو وقت کی پابندی قائم نہ کر سکے یہ ملازمت سے فارغ کیا گیا ہے جبکہ مسلمان ملازمین کا کہنا ہے کہ آٹھ

کھیتی کی ملازمت کے دوران وہی امریکی کھیتی کار نے یہاں سے وہاں لڑا کرتے ہیں۔ ملازمین نے احتجاج کیا اور ملازمت پر بحال رہا۔ امریکی کھیتی کار نے یہاں سے وہاں لڑا کرتے ہیں۔ ملازمین کے خلاف ہے۔

پاکستان کے وہ علماء اور دیندار حضرات جو امریکہ میں آئے ہیں ان کے خلاف بولنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ امریکی کھیتی کار نے یہاں سے وہاں لڑا کرتے ہیں۔ ملازمین نے احتجاج کیا اور ملازمت پر بحال رہا۔ امریکی کھیتی کار نے یہاں سے وہاں لڑا کرتے ہیں۔ ملازمین کے خلاف ہے۔

اس کے علاوہ امریکہ مخالف جہاد کے علمبردار بھی ہیں۔ ان کی مقصد یہ ہے کہ امریکہ کے دوروں پر آنے والے علماء امریکہ کے خلاف جہاد کی تحریک کو بڑھاتے ہیں۔ یہ وہ علماء و پیشوا اور سکالر ہیں جو اپنے ملکوں میں بیوروکریسی کے خلاف جہاد کا نعرہ لگاتے ہیں۔ ان کے مقصد یہ ہے کہ امریکہ مخالف جہاد کے علمبردار بھی ہیں۔ ان کی مقصد یہ ہے کہ امریکہ کے خلاف جہاد کی تحریک کو بڑھاتے ہیں۔

پاکستانی جمہور کے لیے ایک نوجوان "سید" کی آمد کی زبان میں بولتے ہیں۔ ان لوگوں کو علم ہے کہ امریکہ آتا ہے تو امریکہ کی مخالفت ترک کر لی ہوگی۔ "سید" کی آمد کی زبان میں بولتے ہیں۔ ان لوگوں کو علم ہے کہ امریکہ آتا ہے تو امریکہ کی مخالفت ترک کر لی ہوگی۔ "سید" کی آمد کی زبان میں بولتے ہیں۔ ان لوگوں کو علم ہے کہ امریکہ آتا ہے تو امریکہ کی مخالفت ترک کر لی ہوگی۔

جہاد کے نعرے لواتے وقت 12 اکتوبر 2011ء



جتنا میرے خدا کو ہے میرا ہی مزید
جو کچھ تیری رضا ہے خدا کی وہی خوشی
گو ہم تمک حرام تھے نظام ہیں
شان کرم کو اعلیٰ بُرے سے غرض نہیں
دل سے ذرا یہ کہہ دے کہ ان کا نظام ہوں
طیبہ کے جوئے عطر بدیں کیا کروں حسن
کوئین میں کسی کو نہ ہوگا کوئی مزید
جو کچھ تیری خوشی خدا کو وہی مزید
قربان پھر بھی رکھتی ہے رحمت تیری مزید
اس کو سبھی پسند ہیں اس کو سبھی مزید
ہر دشمن خدا ہو خدا کو اسی مزید
جہاد کو سبھی پسند ہے جہاد کو سبھی مزید

یہی اعزاز تابع ہے خالی از معائب

یہی اعزاز تابع ہے خالی از معائب

حقیقت چاہتا ہوں کہ یہی اعزاز

مہر و نعت کا کوئی ایک ہے خالی از معائب

یہی اعزاز تابع ہے خالی از معائب

جہالت علم کا ایک ہے خالی از معائب

بہرے حق کوئی ایک ہے خالی از معائب

یہی اعزاز تابع ہے خالی از معائب

خوشامد کی بھی کوئی ایک ہے خالی از معائب

سچ اپنی یہ عادت ہے خالی از معائب

یہی اعزاز تابع ہے خالی از معائب

دعا القاب کی بھی ایک ہے خالی از معائب

یہی اعزاز تابع ہے خالی از معائب

روابط کو نہ غم خاطر ہے خالی از معائب

سدا مجبور سچ کے گھٹ ہے خالی از معائب

یہی اعزاز تابع ہے خالی از معائب

الحق

الحق

الحق



حضرت اُسامہ بن زیدؓ کا فرمان ہے کہ قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

وہ جس کا فائدہ پیاس اور غم و غنا میں طویل مدت تک رہا ہو۔ اگر وہ تابع ہو جائے تو لوگ غافل رہیں گے۔

لوگ سزا بھالنے ہیں تو وہ رب کے حضور پیشیاں اور گناہیں بھالنے ہیں اور وہ اپنے گناہوں کو بھالنے میں مصروف رہیں گے۔

تو ان کو کسی شرم میں رکھنے کے لئے یہ جان لے کہ وہ لوگ اس شرم میں ایمان کی علامت ہیں۔

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

سوائے انبیاء و مرسلین کے نبیؐ کی آل اطہرؑ تادم کے

مصابہؑ اولیائے کاملینؑ کے وہ عابد ہو کہ زاهد یا کہ تابع

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

جو بے بہرہ ہو آداب نبیؐ سے صد رکھتا ہو آداب نبیؐ سے

زرا بھلا ہو آداب نبیؐ سے اُسے دنیا ہے قصہ عجب

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

دیا جس نے یہ تابع کو لقب ہے پڑھایا اُس نے اللہ کا غضب ہے

بنا وہ قند و شر کا سبب ہے بھلا ہو کیسے اس کی رائے صاحب

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

وہ ناظم ہو کہ تادم ہو جہاں کا رہا نہ پاس ہے جس سے بیاں کا

قلم اس کا مسلمان ہے کہاں کا پڑھائے جو مسلمان کے مصائب

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

گناہوں سے بڑی انسان کیاں ہے خطا میں جتا ہر جسم و جاں ہے

میز حصیاں کا ہر اہل جہاں ہے ہے مصعوین میں یہ نقص عجب

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

جو تابع ہو وہ کیسے بے خطا ہے یہی کافی اسے روز جزا ہے

لی توفیق تو پ ' مرجا ہے رہے اندر ذرا مفہوم تابع

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

لہذا خواں نعت کا تابع دعا ہے رفیع اُس کا مقام میں مرتب ہے



قدوة الاولیاء حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ غلام مرتضیٰ بیلوی نسروا کا شمار دوستانہ مباحثہ کے ممتاز علماء کرام اور مجاہدینِ مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ آپ کے علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی متعدد عربی کتب کو پنجاب یونیورسٹی کے کئی علماء و طالبات نے ایم اے اور ایم فل (عربی) کے تحقیقی مقالات کے طور پر مرتب کیا ہے۔ اس وقت پنجاب یونیورسٹی میں آپ کی ایک کتاب "شمس الضحیٰ شرح بدر المدجی فی حدیث المصطفیٰ علیہ السلام" کو "امداد نظامیہ لاہور کے سابق طالب علم مفتی محمد اکرم کھٹکی پی ایچ ڈی مقالہ کے طور پر مدون کر رہے ہیں۔

ایک مضبوط علمی پس منظر کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک مستقیم الاحوال صوفی اور راسخ العقیدہ سنی بزرگ اور حقیقت و سلیقہ کے ذریعہ مستقامی و علمبردار تھے۔ حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرہ اکابر اہلسنت" میں آپ کا خصوصیہ یہ بتا دیا ہے کہ آپ کی راسخ العقیدگی اور سلامت فکری و علمی کے متعدد شاہد پیش کئے ہیں۔

حضرت اعلیٰ بیلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۵۱ھ تا ۱۳۵۱ھ میں بریل شریف شاہ پور ضلع سرگودھا کے معزز و معروف علمی و دینی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد اسلم رحمۃ اللہ علیہ عالم باعمل اور عارف کامل تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا محمد الدین کے علاوہ آپ کی جدہ محترمہ بھی عالمہ و فاضلہ تھیں۔ مشکوٰۃ شریف کا جو نسخہ اس قابلِ مباحثہ احترام خاتون نے اپنے قلم سے لکھا اب تک کتب خانہ عالیہ میں محفوظ ہے اور حضرت مولانا محبوب عالم سواہی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے گزرا ہے چنانچہ وہ اپنی مشہور مثنوی "نور الایضار" میں قلم فرماتے ہیں۔

بیت علم فقط بقول رجال حافظ و عالم مستورہ حال
دفتر مشکوٰۃ کہ من خواہد ام از قلم جدہ اش آمد رقم

یہاں اس خاندان میں علم صرف مردوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ کئی خواتین حافظہ و عالمہ ہوئی ہیں۔ ہم میں نے مشکوٰۃ

شریف کا ایک نسخہ مطالعہ کیا ہے جو آپ (حضرت اعلیٰ) کی جدہ محترمہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ (انوار مرتضوی ص: ۲۱)

حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ نسروا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور جلد ہی حفظ کلام اللہ سے فارغ ہو کر فارسی علم سیکھنا شروع کیا اور کئی صلاحتیں سمجھ لی تھیں۔ انہی میں سے کئی تھیں کہ والد بزرگوار کا افعال

ہو گیا۔ "انوار مرتضوی" جو آپ کا اولین اور مشہور ترین تذکرہ ہے، میں ہے کہ وصال کے وقت کسی شخص نے ان سے کہا کہ اپنے اکلوتے نورِ نظر کو کسی کی کفالت میں کر جائیں؟ اس نیک شخص اور نوکل شہاد مرقد خدا نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا حوالہ بخدا اس شخص نے تین مرتبہ اپنی تجویز دہرائی اور تینوں مرتبہ آپ نے بھی جواب دیا۔

پہر دم جو مایہ غولیں را تو دانی حساب کم و بیش را
والد گرامی کے وصال کے بعد تحصیل علوم کے لیے بلد شریف (تحصیل پنڈ وادھان ضلع جہلم) گئے جہاں امام الاویاء مولانا خواجہ غلام نبی لہئی نسروا کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا اور بہت قیود سے عرصہ میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے۔

دورانِ طالب علمی میں سرانج السالکین، غرض القاصین حضرت مولانا خواجہ غلام نبی الدین قصوری دامادِ حضورِ قدس سرہا جو آپ کے استاد فیض ملا کے پیرومرشد بھی تھے، سے شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت قصوری نے ابتدائی تعلیم اور توجہ کے بعد مدیرِ بیت و تکمیل کے لیے آپ کے استاد گرامی حضرت لہئی کے سپرد کر دیا۔ حضرت لہئی نے اس کو ہونا طالب و سالک کو بہت جلد علم و عرفان کی انتہائی بلندیوں تک پہنچایا اور ایک وقت سند فضیلت اور دستارِ خلافت سے نوازا۔ اس کے بعد آپ کو وطن النوف واپس جا کر مدرسہ و خانقاہ قائم کرنے کا حکم دیا اور بدست کے لیے اپنے چند طلبہ کو بھی تحصیل علوم کے لیے ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔

استاذ و مرشد کے حکم کے مطابق آپ نے آتے ہی تدریس و تعلیم اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کچھ دن دیکھتے آپ کی شہرت ڈوب ڈوب کر تکمیل گئی اور طالبانِ علم و عرفان کا اس قدر جھوم ہونے لگا کہ مسجد و مدرسہ و خانقاہ میں درس و تدریس جاری تھی۔

عوام الناس کی ایک کثیر تعداد میں فیض یابی کے ساتھ ساتھ آپ سے علمی و روحانی استفادہ کرنے والوں میں مولانا القدر علماء اویاہ و شعراء اور مشائخ بھی شامل ہیں۔ جن میں حضرت مولانا محبوب عالم سواہی رحمۃ اللہ علیہ (پہلی عربی ۱۲۱) "تفسیر سورۃ الفجر" کو پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے عربی کے ایک عالمِ علم نے تحقیقی مقالہ کے طور پر مرتب کیا ہے۔ قاضی غلام محمد شاپوری، حضرت بزرگ سلطان سکندر شاہ خوشابی، حضرت قاضی مظاہر محمد لوی، حضرت مبارک اللہ خان خوشابی، حضرت مفتی شاہ عالم بیلوی، حضرت مولانا شمس الدین سیہری، حضرت مولانا نور الدین خان، حضرت مولانا شمس الدین فیض پوری اور حضرت صوفی محمد ابراہیم قصوری (مصنف خزینہ معرفت) کے علاوہ دیگر مشائخ و علماء ہیں۔

ساجز ادب سید احسن اور قصور شریف کے شاگرد شمس حضرت بزرگ شاہ قصوری و دیگر اہلِ علم و کمال ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں حضرت اعلیٰ مولانا محمد سعید صاحب حضرت مولانا محمد سعید صاحب مولانا محمد سعید صاحب مولانا محمد سعید صاحب

نے عظیم والد کے نقش قدم پر چلنے ہوئے تعلیم و تعلم اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ "الوار مرتضوی" کے مطالعہ سے ان کے حالات و مقامات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ دور حاضر میں ان کے تیرہ گان حضرت خوبہ صاحبزادہ محمد عمر اور حضرت مولانا خواجہ غفر الدین آسمان علم و عرفان پر آفتاب و اجتاب بن کر چمکے ہیں۔

سپر علم و روحانیت کا یہ آفتاب جہاں تاب ۵ مارچ ۱۳۲۱ھ / ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو غروب ہوا۔ متعدد اہل علم و فن نے مختصر اور طویل تصانیف و مثنویات عربی و فارسی و اردو میں آپ کی تاریخ و وفات کہی ہے۔ ان میں حضرت حکیم عبد الرسول بکھروی مصنف "الوار مرتضوی" کی طرف سے بھی کئی نکتوں میں آپ کی تاریخ و وفات کہی گئی ہے۔ ان میں سے ایک تاریخ و وفات یہ بھی ہے۔

بمرد ولی بگفتا عبد تاریخ کہ شد از ماہیان شمس جہاں تاب
۱۳۲۱ھ

غیر مقلد بیت کا رو:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کا چاہنا ہے کہ حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ غلام مرتضیٰ علیہ السلام ایک راسخ العقیدہ و پختہ حنفی عالم و عارف تھے۔ آپ نے جس دور میں تعلیم و تربیت اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا یہ وہ دور تھا جب برصغیر پاک و ہند میں انقلاب تقلید کے فتنے نے سر اٹھایا اور اس کی زد میں بڑے بڑے دینی و علمی علم آ گئے۔ یہ اسلام کی دینی تاریخ کا ایک فوج طلب پہلو ہے کہ دین و فروع کا فتنہ ہو یا اعتزال و انحراف کا، انکار بحیث حدیث کا فتنہ ہو یا انکار فہم نبوت کا سب کے پیچھے اور سب کی تہ میں نیکی انکار تقلید کا چنڈہ کام کرتا نظر آتا ہے۔

علماء حق نے ہر دور میں ہمیشہ اشاعت علوم، تعمیر اخلاق اور اصلاح رسوم کے ساتھ ساتھ عقائد کا فریضہ بھی سر انجام دیا ہے اور حقیت سنت اور رد بدعت کا جوش و خروش سے ملاحظہ کرتے ہوئے ہر قسم کے فکری اور اعتقادی فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ غلام مرتضیٰ بیروٹی علیہ السلام نے بھی اپنے فکر و عمل سے علماء کے اس تاریخی کردار کو زندہ رکھا اور اسلام کی اس عظیم روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے استاد و مرشد حضرت مولانا خواجہ غلام نبی النہسی علیہ السلام کے ساتھ مل کر خاص طور پر غیر مقلد بیت اور قادیاہیت کے فتنوں کا زبردست رد کیا اور اپنے زیر اثر حلالے (معلمی و دہشلی پنجاب) میں اپنی خدا واداعیہ و فرست اور حدیث اہل بیت و کوشش سے ان کے آگے بند باندھ دیا۔

حضرت اعلیٰ بیروٹی تدریس و ارشاد اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ فتنوں، بحث و نظر (مباحثہ و مناظرہ) میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ خاص طور پر غیر مقلدین کے ساتھ آپ کے کئی کامیاب مناظروں کا ذکر صاحب "الوار مرتضوی"

اور "تذکرہ اعلیٰ حضرت" کے مصنف نے کیا ہے۔

حکیم نور الدین بحیروی کی تاریخی شکست:

ان میں سے ایک تاریخی مناظرہ کوٹ بھائی خاں (جو پربل شریف سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہماوریاں شاہ پور روڈ پر واقع ہے) میں حکیم نور الدین بحیروی کے ساتھ ہوا۔ یہ بھی کچھ فکر یہ ہے جس کا ذکر ہم سطور بالا میں اشارہ عرض کر چکے ہیں کہ حکیم نور الدین جو بعد میں مرزا اقام قادیاہی کا نام نہا وظیف اول بھی بنا، تعلیم سے فراغت کے بعد سب سے پہلے انار تقلید کے فتنہ میں مبتلا ہوا اور کوٹ بھائی خاں میں غیر مقلدین و دہلیہ کی طرف سے مناظرہ کے لیے آیا۔ حضرت اعلیٰ غلام مرتضوی بیروٹی علیہ السلام بنفس نفیس اس کے خلاف میدان مناظرہ میں اترے اور اسے ایسی شکست قاضی دی کہ وہ راتوں رات کوٹ بھائی خاں سے بھاگ گیا۔ بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے بحیرہ کو بھی خیر آباد کہہ گیا۔

اس تاریخی مناظرہ کی کچھ تفصیل حضرت اعلیٰ کے تیسرے معظّم اور نائب معظّم حضرت اقدس صاحبزادہ محمد عمر بیروٹی علیہ السلام نے "تذکرہ حضرت اعلیٰ" میں بھی دے دی جس کا احادہ قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

"حکیم نور الدین جو مرزائیت کے خلیفہ اول تھے، اپنے مسکن بحیرہ میں مقیم تھے اور طبیعت کے بل بوتے پر وہ حشمت سے وہابیت میں چلے گئے تھے۔ ان کے علم کا کسے اندازہ ہے؟ اور وہ اپنے دینی علوم میں بجا روزگار تھے حتیٰ کہ علم نے ہی ان کو تاج و بہاد کیا۔ فقال النما اوقبه علمی علم کے مطابق وہ ایسے گرسے کہ سنبھل نہ سکے۔ کوٹ بھائی خاں میں اپنا وہابی برادری میں آئے اور کسی مسئلہ کی چھبیر چھاؤ شروع ہوئی۔ کوٹ بھائی خان بیروٹی سے وہابیت کے واسطے یہ ہے۔ مقامی مسلمان حضرت اقدس کو ان سے بات چیت کے لیے لے گئے۔ "آمین بالجہر" کا جھگڑا تھا۔ ہمارے علم نے فرمایا کیوں بلند آواز سے آئین کہی جائے؟ کہا بخاری شریف میں آتا ہے چو اذا قال الامام ولا بعدا لہ قولہ و آمین کہ بخاری کا طریقہ ہے جب تو لو کا لفظ استعمال کرے تو اس لفظ سے مقصود بلند آواز سے کہنا ہوتا ہے۔ ہمارے علم نے فرمایا کہ بخاری میں آتا ہے چو اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ قولہ و اما لک الحمد کہ لک الحمد کہ لک الحمد بلند آواز سے و اما لک الحمد نہیں کہا جاتا۔ اس پر ایک اور حدیث حکیم نور الدین صاحب نے پڑھی۔ آپ نے اس کا جواب کس کتاب میں ہے؟ حکیم صاحب نے کہا بخاری میں۔ آپ نے فرمایا بخاری میں نہیں اس پر آپ نے جواب دیا کہ اور سے ان پر بحث نہ کریں۔ لیکن حضرت صاحب نے بعد میں خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود ہی آپ نے اس حدیث کو بخاری میں لکھا ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہی حدیث ہے لیکن حکیم صاحب راتوں رات بحیرہ چلے گئے اور وہیں ان کا کھانا کھا کر رخصت ہو گئے۔ اقامت بھی بیٹھ گئے۔ لیکن (اعلیٰ) نے ان کی بیوی کو رخصت بھی کیا ہے۔ ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

ان میں سے ایک تاریخی مناظرہ کوٹ بھائی خاں (جو پربل شریف سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہماوریاں شاہ پور روڈ پر واقع ہے) میں حکیم نور الدین بحیروی کے ساتھ ہوا۔ یہ بھی کچھ فکر یہ ہے جس کا ذکر ہم سطور بالا میں اشارہ عرض کر چکے ہیں کہ حکیم نور الدین جو بعد میں مرزا اقام قادیاہی کا نام نہا وظیف اول بھی بنا، تعلیم سے فراغت کے بعد سب سے پہلے انار تقلید کے فتنہ میں مبتلا ہوا اور کوٹ بھائی خاں میں غیر مقلدین و دہلیہ کی طرف سے مناظرہ کے لیے آیا۔ حضرت اعلیٰ غلام مرتضوی بیروٹی علیہ السلام بنفس نفیس اس کے خلاف میدان مناظرہ میں اترے اور اسے ایسی شکست قاضی دی کہ وہ راتوں رات کوٹ بھائی خاں سے بھاگ گیا۔ بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے بحیرہ کو بھی خیر آباد کہہ گیا۔

بیٹھ کے لیے ہار گیا۔ (ص: ۶۰-۷۱)

رہنمادیا نیت:

حضرت اعلیٰ مولانا غلام مرتضیٰ ابراہیلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف فقہانہ تہذیب کی سرکوبی ہی نہیں کی بلکہ فقہی تقاریر میں نبوت کا بھی استعمال کیا۔ صاحب ”انوار مرتضوی“ نے صفحہ 97-98 پر اس حوالے سے ایک مکتوب کا اندراج کیا ہے جس میں آپ نے مرزا غلام قادیانی کا رویہ مختصر اور جامع انداز میں کیا ہے۔ اس تاریخی مکتوب میں آپ فرماتے ہیں۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

﴿قال الله تعالى: ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحى ولم يوح اليه شي ومن قال سائزل مثل ما انزل الله ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم اخرجوا نفسك اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن آياته تستكبرون﴾

عقائد مرزا قادیانی مخالف آیات صریحہ و احادیث صحیحہ و مخالف اجماع است و کشف اولیاء متقدمین و متاخرین است۔ فلا یتبعہ الا جاهل او زندق او مجنون او متعصب فی الدین۔ البتہ او را در فن انشاء پردازی عربی و فارسی دخیل هست۔ لہذا بعضی اشخاص ضعیف الایمان کہ از عقل بہرہ کلی نثار ندہر تحریرات و تقریرات او فریفتہ و شیفتہ می شوند و ادعائے کاذبہ او مثل نبوت و ولایت و غیر ذلک را تصدیق می نمایند۔ فویل لہم ثم ویل لہم۔ اعوذ باللہ ان اکون من الجاہلین۔ دعوائے نبوت و مثل مسیحیا و مہدی بودن از طرف مرزا قادیانی محض دروغ ہے فروغ است۔ لہذا کہ بنا بر تصدیق این دعویٰ هیچ دلیل قوی نزد ایشان نیست کہ خصم او را تسلیم نماید۔ محض الہام و کشف و حجت بر غیر قائم نہ گردد کہما تقرری علم الکلام و قد جر بنا مراراً ان صاحب الکشف یغلط کثیراً۔ مع هذا این جہت کشف کہ مخالف حق صریح باشد معتبر نیست۔ ظاہر ست کہ ایشان را مگر حلقہ از ولایت بودہ تا احدی از ہمتش نہاد ایشان البتہ مؤدب و مہذب مگردید و اخلاق ذمیمہ او مہدل بہ اوصاف حمیدہ گشتے۔ حالانکہ جملہ اصحاب ایشان را الآن کہما کان می یشم۔ هیچ کس را دل از ذنوبہ دون سرزد لنگر دہندہ و نہ هیچ کس کہما حقہ راغب بعبادت الہی است۔ چہ خوش گفت۔ ان الاوفع الی اوج القبول و اصل وان الناس کالتبضع تابعون للاخص الاول۔

سو غنیم از دست صرافان گوہر ناشناس فوجت خرمہرہ را با قدر برابر میکند

من یہدی الہ فہو المہتدی ومن یضلل فلن تجد لہ ولہا مرشداً والسلام علی من اتبع الہدی و الفرم متابعة المصطفیٰ علیہ و علی آلہ النجیۃ و الفاء۔

ترجمہ: محمد و سلام کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کتاب مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر بیعت نہ کیا اور اللہ کے ساتھ وہی ہوئی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی دینی شخص ہوئی اور جس نے یہ کہا کہ میری طرف الہی وہی اترے گی، جس طرح اللہ نے پہلے نبی برحق پر اتاری ہے۔ کاش کہ تو دیکھتا یا وہ منظر تیرے سامنے ہوتا جب یہ ظالم نبوت کی وحشیت میں ہوتے اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے کہہ رہے ہوتے کہ اپنی جانوں کو نکالو۔ آج تمہیں ذلت کا مذاق دیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ تم اللہ کی طرف ناحق منسوب کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے انکار کرتے تھے۔ (الانعام ۹۳) مرزا قادیانی کے عقائد آیات صریحہ و احادیث صحیحہ و مخالف اجماع است و کشف اولیاء متقدمین و متاخرین کے مخالف ہیں۔ ان کی ہر وہی صرف وہی کر سکتا ہے جو جاہل یا زندق یا مجنون (پاگل) یا جودین میں تعصب رکھتا ہو البتہ اسے فن انشاء پردازی عربی و فارسی میں مہارت حاصل ہے لہذا بعض اشخاص ضعیف الایمان جو عقل سے بہرہ کلی نہیں رکھتے اس کی تحریرات اور تقریرات پر فریفتہ اور شیفتہ ہو جاتے ہیں اور اس کے ادعائے کاذب (جھوٹے دعوں) مثل نبوت و ولایت و غیرہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس غرابی ہے ان کے لیے ہاں! غرابی ہے ان کے لیے۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہو جائوں۔ مرزا قادیانی کی طرف سے نبوت اور مثل مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ محض دروغ ہے فردغ اور سرانہ جھوٹ ہے جو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی ایسا دلیل ان کے ہاں ایسی نہیں ہے فریقین علیہ السلام کرے۔ محض الہام و کشف غیر پر حجت نہیں ہو سکتا جیسا کہ علم کلام میں طے ہو چکا ہے اور ہم نے اس کا بار بار تجربہ کیا ہے کہ صاحب کشف با اوقات قطعی میں پڑ جاتا ہے۔ مع هذا اس قسم کا کشف جو کہ حق صریح (واضح) کے مخالف ہو معتبر نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ ان کو اگر دلالت سے کچھ حصہ اور بہرہ حاصل ہوتا تو ان کے ہم نشینوں (صحبت میں بیٹھنے والوں) میں سے کوئی ایک تو ضرور مؤدب اور مہذب ہو جاتا اور اس کے اخلاق ذمیمہ اوصاف حمیدہ سے تبدیل ہو جاتے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ ان کے تمام احباب جیسے پہلے تھے ویسے ہی چلاؤں گے کماکان کہہ دیکھتا ہوں کسی کا دل دلیائے دوس سے مرڈ نہیں ہوا اور کوئی کما حقہ مہارت الہی کی طرف راغب ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بنو میں گر ہر ناشائستہ صرافوں (سٹاروں) کے ہاتھ سے مل لیا ہوں جو فرمہرہ کی قیمت موتی کے برابر بتاتے ہیں۔ جسے اللہ دہات و وہاں جاہل و فاجر ہے اور جسے دیکھ کر اہل کمال دوست دیکھ کر اور ہر شکار دیکھ کر لالہ گرد ہوتا ہے اور اس کا حال اس کے ہاتھ کی تھرو کی لالہ رنگی کریم رحمۃ اللہ علیہ کی کامل انوار کو لازم چاہتا ہے۔

قومی اعزازات کی لوٹ مار

محمد حمزہ
تراوی

یہ 1956ء کی بات ہے جب حکومت پاکستان نے اعلیٰ ترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی شخصیات کو سول ایوارڈ دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ پہلی بار 19 مارچ 1957ء سے پاکستان کے سب سے بڑے سول اعزاز 'نشان پاکستان' کا اجراء ہوا۔ یوں ہر سال یوم آزادی کے موقع پر ان ایوارڈز کے لئے نامزدگیوں کا باقاعدہ اعلان کیا جانے لگا اور نامزد افراد کو یہ اعزازات اگلے سال 23 مارچ کو دیے جانے لگے۔ تاہم محترم پاکستان کے یہ اعلیٰ ترین سول ایوارڈ ز پانچ اقسام کے ہیں۔ ایوارڈ کی ہر قسم کو چار درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نشان پاکستان کے بھی چار درجے ہیں یعنی نشان پاکستان، پھل پاکستان، ستارہ پاکستان اور تمغہ پاکستان۔ اسی طرح نشان شجاعت، نشان امتیاز، نشان قائد اعظم اور نشان خدمت کے بھی چار چار درجے ہیں جو با ترتیب نشان پھل، ستارہ اور تمغہ کہلاتے ہیں۔

نشان پاکستان پاکستان کا سب سے اعلیٰ ترین سول اعزاز ہونے کی بنا پر خاصی حقیقت اور جانچ پڑتال کے بعد زندگی کے مختلف شعبوں اور ملک قوم کے لئے اعلیٰ ترین خدمات انجام دینے پر دیا جاتا ہے۔ ان کی کنیشن 259 (2) کے تحت ہر ایسے پاکستانی شہری کو جس نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قومی خدمت سرانجام دی ہو، نوٹن لطیف، لٹریچر، سائنس، کھیل اور ریسنگ کے شعبے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہوں کو ان اعزازات کے لئے نامزد کیا جاتا ہے جنہیں مختلف سطحوں پر قائم کمیٹیاں سفارشات اور کارکردگی کے جائزہ لینے کے بعد فائل کرتی ہیں۔ پھر سرکاری شکل میں کاغذی نوٹن ان کو منظوری کے لئے مجاز اتھارٹی وزیراعظم اور صدر کو بھیجتے ہیں۔ ماضی کی حکومتوں نے سیاسی وابستگیوں اور تمام تر اقرباء پروری کے باوجود یوٹی حد تک ان اصول و قواعد کا خیال رکھا مگر انفسوس کہ موجودہ حکومت نے سیاسی وابستگیوں، اقرباء پروری اور قومی وسائل کی بندر بانٹ کے تحت اس سال قومی اعزازات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یوم آزادی کے موقع پر صدر مملکت نے جن 185 شخصیات کے لئے قومی اعزازات کا اعلان کیا، ان میں سے بیشتر کا تعلق نہ صرف خود ان کی اپنی جماعت سے ہے بلکہ ان میں سے کسی ایک اہم حکومتی عہدوں پر بھی فائز ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حکومت نے قومی اعزازات کو "اندر سے باہر دیوں" کی طرح انہوں میں بانٹ کر ان اعزازات کے لیے طے شدہ اصول و قواعد اور میرٹ کی وجہاں آزادی ہیں۔ کیونکہ حکومت کی جانب سے نشان امتیاز سے نواڑے جانے والوں

میں فاروق نایک، جیمز مین سینٹ ہیں، میجر منجیب ہوسے سے قبل وہ آصف علی زرداری کے وکیل کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے ہیں، لہجہ حمزہ ایٹیکر قومی اسمبلی ہیں اور منجیب پارٹی سے ان کی اور ان کے شوہر کی وابستگی کسی سے دھل نہیں بات نہیں ہے۔ عبدالرحمان ملک وزیر داخلہ ہیں، ملک وقوم کے لئے ان کی کیا خدمات ہیں، سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی طرح سلمان فاروقی صدر مملکت کے پرنسپل سیکرٹری اور ایمان صدر ہی میں بدجاہان ہیں۔ پھل امتیاز سے نواڑے جانے والوں میں صدر زرداری کے ممتاز خاص فرحت اللہ ہابر، امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسین عثمانی، بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی انچارج فرزند راجہ جنین وفاق وزیر کا درجہ بھی حاصل ہے اور صدر زرداری کے ایک اور رفیق کا بیت المال کے چیئر مین زمر خان بھی شامل ہیں۔

مال مفت دل بے رحم کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ ستارہ امتیاز اپنے ماتھے پر سمانے والوں میں پاکستان ہاؤس کا سٹیف کار پریٹیں کے ڈائریکٹر جنرل مرثیٰ سوگنی، صدر مملکت کی بہت قریبی شخصیت اور کاغذی نوٹن کی سیکرٹری فرانس سینیسی (جو خود ان اعزازات کو پوسٹس کرنے کی ذمہ دار ہیں) صدر کے پرنسپل سیکرٹری سلمان فاروقی کی بیٹی شریلا فاروقی، ختمہ کی کن قومی اسمبلی خوش بخت شجاعت، مہر لقمان (جو شرف دور حکومت میں پنجاب کے گھرانہ وزیر وچے ہیں اور دیگر لیڈر پر سز کے مقابلے میں حکومت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں) اور قاسم ضیاء بھی شامل ہیں جو منجیب پارٹی پنجاب کے صدر وچے ہیں اور آج کل ہاکی فیڈریشن کے بھی صدر ہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ اعزازات کی اس بندر بانٹ میں خود صدر مملکت نے اپنے لیے کوئی اعزاز نہیں رکھا، شاہی اہل نے وزیراعظم کے لئے کسی تمغہ کا اعلان کیا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ایک ایوارڈ بلاول بھٹو زرداری کے لئے بھی رکھا جاتا۔ ان کو یہ چاہیے تھا کہ جب ختمہ قومی سوومنٹ کی خوش بخت شجاعت کے لئے ستارہ امتیاز کا اعلان کیا تھا تو حکومت کی دوسری اتحادی جماعتوں کے عہدیداروں کے لیے بھی کسی نہ کسی ایوارڈ کا اعلان کر دیا جاتا، کم از کم غلام احمد بلور کو رطلے کا ہوا فرقہ کرنے پر ضرور کسی نہ کسی اعزاز کا مستحق قرار دیا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح مقامی سیاست کے بادشاہ اور ملک حلیف اور حریف کا ذیل کردار ادا کرنے کے ماہر فضل الرحمن کو بھی اس کنگڈم میں شامل کر لیا جاتا تو کیا بات تھی کہ یہاں جناب سٹاکہم کا قدم اُدھر بھی ہوتا ہے اور اُدھر بھی۔

اگر ایوارڈ ہی دینا تھا تو وزیراعظم بلاول بھٹو سے زیادہ ان کو ان اعزاز کا مستحق ہو سکتا تھا کہ جن کی حلقہ کے لئے مترجم کی ضرورت پڑتی ہے اور جن کے بارے میں لطیف مشہور ہے کہ انہوں نے ظہر کی اذان کے وقت ولہ اللہ لارہا، سیکرٹری نے اڑنے اڑنے کا نشان ہے نیازی سے لائے "ان ان ان ان ان" ہوتی ہے چاہے ظہر کی ہو یا صبح کی، مگر

اسلامی حکومت کے لئے ان افراد کو نظر انداز کر کے قومی اعزازات چاہنے کے طریقہ کار پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ حکومت نے زیادہ تر قومی اعزازات اپنے ذاتی مداحوں، پارٹی کارکنوں، مناف ممبروں اور خوشامدیوں میں بانٹ کر ان قومی اعزازات کے مرتبے و مقام کی کوچن کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کاغذی اختلاف اس اعلان کو قوم کے ساتھ مذاق سے تشبیہ دے رہے ہیں جبکہ دوسری جانب ممتاز انجلی و قانونی، مہرین قومی اعزازات کی جہانوں میں تقسیم پر ناراض ہیں اور ملٹی ملک کو نشان امتیاز دینے کے فیصلے کو آئین کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ صدارتی معافی مانے کے باوجود جرم برقرار رہتا ہے اور کسی سزائے فیصلہ کو قومی ایوارڈ نہیں دیا جاسکتا، کیا ایسے اشخاص جو کہ ذمہ دار سرکاری اور حکومتی عہدوں پر فائز ہیں اور جن کی کارکردگی قوم کے لئے غیر معمولی بخش ہے مگر اس کے باوجود یہ لوگ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض منصبی سے زیادہ قومی خزانے سے مراعات اور سہولیات وصول کر رہے ہیں، کون قومی اعزازات کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے؟

حیرت ناک امر یہ ہے کہ وہ لوگ جو اپنی ذمہ داریوں کے اہل بھی ثابت نہیں ہو رہے آخر انہوں نے ایسی کونسی قومی و ملکی خدمت اور کارنامہ سر انجام دیا ہے جس کی بنیاد پر انہیں ان اہم اعزازات کا مستحق قرار دیا گیا ہے؟ کیا انی اچھا ہوتا کہ جن لوگوں کو قومی اعزازات دینے کے لئے منتخب کیا گیا ہے، میڈیا کو ان کی خدمات کی وہ فہرست بھی جاری کر دی جاتی جن کے باعث انہیں اعزازات کا مستحق سمجھا گیا، خاص طور پر فاروق نایک، لہیدہ مرزا، عبدالرحمان ملک، سلمان فاروقی، فرحت اللہ بابڑ، مرتضیٰ سولنگی، صوبہ سندھ کی مشیر شرمیلا فاروقی، موجودہ کنینٹ سیکرٹری اور وزیراعظم کی سابق پریسل سیکرٹری زمر سٹیلی، امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسین حنائی، بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی سربراہ فزانہ راجہ، پاکستان بیت المال کے چیئرمین زمرہ خان اور متحدہ کی رکن قومی اسمبلی خوش بخت شجاعت کی غیر معمولی خدمات جاننے کے لئے قوم تو ویسے بھی بے تاب ہے۔

کبلی بارقوی تاریخ میں اتنی بڑی تعداد میں ایک ہی سیاسی جماعت کے افراد کو اس طرح اعلیٰ ترین قومی اعزازات کے لئے منتخب کرنا بیانی طور پر بارودی اور بندر بانٹ کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر طبر جاحمد راندہ جائزہ لیا جائے تو ان صاحبان کا ایسا کوئی خاص کارنامہ جس کی بنیاد پر انہیں اعلیٰ ترین اعزازات کے لئے منتخب کیا جاسکتا ہے، ثابت کرنا بہت مشکل ہے جبکہ یہ اعزازات ان افراد کو دینے چاہتے ہیں جنہوں نے ایسی کوئی قومی خدمت سر انجام دی ہو جس کی نظیر ملتا مشکل ہو یا ملک و قوم کی بہتری کے لئے ایسا کارنامہ سر انجام دیا ہو جس سے قوم کا سر فہرست بلند ہو جائے۔

امرواقد یہ ہے کہ اس سال حکومت نے سول اعزازات کی جو سہ تو تیری کی ہے ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی جس طرح ریڈیوں کی مانند یہ اعزازات انہوں میں بانٹے گئے ہیں اور ایسے ایسے لوگوں کو لوار کیا ہے جن کی قومی و ملی خدمات خود بخود بین سے تلاش کرنے پر بھی نظر نہیں آتیں۔

کچھ دین و ایمان کے دونوں ستون

ساحدین رسالت پر لاکھوں سلام



بیت اللہ شریف کعبہ کا منظر



بیت اللہ شریف کعبہ کا منظر



بیت اللہ شریف کعبہ کا منظر



بیت اللہ شریف کعبہ کا منظر



بیت اللہ شریف کعبہ کا منظر



بیت اللہ شریف کعبہ کا منظر

ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ
ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ

ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ
ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ



ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ
ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ

ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ
ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ



ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ
ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ

ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ
ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ



ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ
ਪੰਜਾਬੀ ਸਾਹਿਤ ਦਾ ਇਤਿਹਾਸ

